متفرق علمی مسائل

سماع موتی اور مسئلہ وسیلہ

سوال ۔ کیا مُردے سنتے ہیں۔ قبروں پر تلاوت کیا ان کا نامہ اعمال کھلا ہوا ہوتا ہے۔ کیا ان کو ثواب پہنچتا ہے۔ ان سے کہنا یا حضرت میرے لئے دعا کرو۔ کہ خدا میرا کام بنا دے جائز ہے نیز پیر کہتے ہیں وسیلہ ڈھونڈو۔ کیا قرآن اور رسول وسیلہ کے لئے کافی نہیں؟

جواب ۔ مُردے نہیں سُنتے۔ سننے کی بابت کوئی حدیث نہیں آئی خاص خاص موقعہ پر بعض روایتیں آئی ہیں۔ جیسے جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی لاشیں کوئیں میں ڈال کر ان کو آواز دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ مردوں کو آواز دیتے ہیں؟ تو فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سُنتے یہ آپ کا معجزہ تھا اسی طرح دفن کے وقت مُردہ میں روح ڈالی جاتی ہے اس وقت سننے کی بھی حدیث آئی ہے عام طور پر سُننے کی کوئی حدیث نہیں چنانچہ ہم نے رسالہ سماع موتی میں اس کی تفصیل کی ہے۔

ہاں صدقہ خیرات اور بعض دیگر اعمال کا ثواب ان کو پہنچتا ہے یہ بہت احادیث سے ثابت ہے اور ان کی قبر پر جا کر ان کی دعا کی درخواست کرنا یہ ثابت نہیں بلکہ اس کے خلاف حدیث میں آیا ہے بخاری وغیرہ میں ہے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قحط سالی پڑ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر نہیں گئے بلکہ حضرت عباسؓ کو دعا کے لئے آگے کیا اور کہا یا اللہ پہلے جب تیرا نبی ہم میں تھا۔ تو تیرے نبی کا وسیلہ پکڑتے تھے اب تیرا نبی نہیں تو تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ پکڑتے ہیں اگر قبر پر جانا درست ہوتا یا فوت شدہ کا وسیلہ درست ہوتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پاس ہی تھی قبر پر جا کر دعا کی درخواست کرتے۔

قرآن اور رسول خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ دعا براہ راست مانگنی بہتر ہے زندہ بزرگ دنیا میں

ہو تو اس سے دعا کی درخواست کرنی درست ہے جیسے حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو دعا کے لئے پیش کیا تھا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

گانا بجانا گراموفون وغیرہ

سوال: ایک مولوی صاحب کا بیان ہے کہ دف، ڈھولک، طبلہ بجانا شرعاً جائز ہے دلیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ سنن ابی داؤد۔ سنن ترمذی میں ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے کہ اگر خدا آپ کو اس لڑائی میں فتح دے تو میں دف بجا کر گاؤنگی آپ نے فرمایا کہ تو نذر پوری کر۔

(۲) سنن ابن ماجہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے انصار میں سے ایک لڑکی کا نکاح کیا، حضورؐ نے دریافت کیا کہ اس کے ساتھ کسی مغنیہ کو بھیجا ہے اس لئے کہ انصار شعر و اشعار پڑھنے والے کو پسند کرتے ہیں۔

(۳) بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ میرے پاس آئے اس وقت دو لڑکیاں گا رہی تھیں، حضرت ابوبکرؓ آئے تو انہوں نے مجھے ڈانٹا کہ یہ شیطانی مزامیر ہے تو حضورؐ نے فرمایا رہنے دیجئے۔

(۴) خالد بن ذکوانی سے روایت ہے کہ ربیع بنت معوذ بن عفراء نے بیان کیا کہ حضورؐ تشریف لائے اور بیٹھ گئے لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں ایک کہنے لگی کہ ہم میں نبی ہے جو کل کی بات کو جانتا ہے فرمایا ایسا کہنا چھوڑ دے جو پہلے کہہ رہی تھی اس کو جاری رکھ۔

گیت کے عدم جواز پر آیت کریمہ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ جب ان پر پیش کی جاتی ہے تو اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ صوتِ شیطان سے مراد گیت لینا لغتِ عرب کے خلاف ہے لغوی معنی صوت کے آواز ہے سورۃ لقمان میں ہے وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ یہاں صوت کے معنی گیت کبھی ہو سکتا ہے؟ اسی طرح آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ میں لھو الحدیث

کی تفسیر جو ابن عباس رضؓ اور ابن مسعود رضؓ سے گیت کے ساتھ مروی ہے سو اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ لھو الحدیث سے مراد گیت نہیں ہے کیونکہ لھو الحدیث کا معنیٰ بیکار باتیں ہیں جن پر دین اور دُنیا کا کوئی فائدہ مرتب نہ ہو۔ اگر گیت مراد لیا جائے تو اس آیت سے ہر قسم کے گیت کا ہر حال میں ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ قولہ تعالیٰ لِیُضِلَّ میں لام تعلیل کا ہے۔

نیز ان کا کہنا ہے کہ گیت کے عدم جواز کے بارہ میں جتنی حدیثیں مروی ہیں سب کی سب ضعیف ہیں گراموفون کے بارہ میں کہتے ہیں کہ جب گیت گانا سننا جائز ہوا تو یہی گیت خصوصاً قرآن شریف کی آیتیں اگر گراموفون کے ذریعہ سنی جائیں تو کیا مضائقہ ہے اس بارہ میں مدلل فتویٰ تحریر فرمائیں۔

سعید یمانی مدرسہ اسلامیہ موضع کلسوڈ کمانہ ماتھرون ضلع بردوان

جواب۔ قرآن مجید میں ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ یعنی نماز قائم کرو۔ اس حکم میں سب آ گئے کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ مگر جس کو کسی آیت یا حدیث نے مستثنیٰ کیا وہ اس سے مستثنیٰ ہو جائے گا جیسے حیض اور نفاس والی عورت۔ اس طرح ہر عموم و اطلاق اپنے عموم و اطلاق پر رہتا ہے اس سے وہی فرد مستثنیٰ ہوتا ہے جس کی استثناء کسی آیت و حدیث میں آ گئی ہو۔ اس اصول پر مسئلہ مذکورہ فی السوال کا فیصلہ بہ آسانی ہو سکتا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ بخاری میں حدیث ہے لَیَکُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ یَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِیْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ میری امت سے کئی قومیں ایسی ہوں گی۔ جو زنا۔ ریشم شراب گانے اور بجانے کو حلال سمجھیں گی۔

حافظ ابن حجر رحؒ فتح الباری میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔ وَھِیَ اٰلَاتُ الْمَلَاھِیْ وَنَقَلَ الْقُرْطُبِیُّ عَنِ الْجَوْھَرِیِّ اَنَّ الْغِنَاءَ یعنی معازف لھو کے آلات ہیں اور قرطبی رحؒ نے جوہری رحؒ سے نقل کیا ہے کہ گانا مُراد ہے اس حدیث سے ہر قسم کے لہو و لعب گانے بجانے کے سامان کی حرمت ثابت ہو گئی اب اس سے جو شے آیت و حدیث سے مستثنیٰ ہے وہی جائز ہو گی باقی سب حرام ہوں گی۔

مولوی صاحب مذکور نے جتنی روائتیں جواز کی ذکر کی ہیں وہ دف کے متعلق ہیں اور وہ بھی شادی اور عید کے موقعہ پر چھوٹی لڑکیوں کے لئے یا جب اسلامی فتوحات کے موقع پر کوئی نذر مان لے تو وہ نذر پوری کر سکتا ہے، مگر جو حدیث ابوداؤد اور ترمذی کے حوالہ سے سوال میں ذکر کی ہے کہ ایک عورت نے نذر مانی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پورا کرنے کی اجازت دیدی یہ حدیث

مشکوٰۃ کتاب الایمان والنذور میں موجود ہے اس میں صرف ابوداؤد کا حوالہ دیا ہے ترمذی کا نہیں دیا۔ نیز اس میں صرف دف بجانے کا ذکر ہے۔ ساتھ گانے کا ذکر نہیں پس یہ مولوی مذکور کی زیادتی ہے اس کے علاوہ چند باتیں مولوی مذکور نے اور غلط کہی ہیں۔

۱۔ صوت شیطانی سے گیت مراد لینے کو لغت عرب کے خلاف کہنا غلط ہے کیونکہ گیت بھی تو آواز ہے اور شیطانی اس کو اس لئے کہا ہے کہ وہ معازف کی قسم سے ہے اور اسی بناء پر اس کو مزمارۃ الشیطان کہا ہے چنانچہ بخاری کی حدیث میں ہے جس کو خود مولوی صاحب مذکور نے ذکر کیا ہے۔

۲۔ لھو الحدیث میں گیت کو داخل ذکرنا یہ بھی غلط ہے جو شخص سلف رحمہ اللہ کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دے وہ اہلحدیث نہیں کیا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ لغت نہیں جانتے تھے انہوں نے اس کو گیت میں کیوں داخل کر دیا؟

اس کے علاوہ مولوی مذکور نے جو لھو الحدیث کا معنی بیان کیا ہے کہ اس پر دنیا اور دین کا کوئی فائدہ مترتب نہ ہو یہ بھی گیت کو شامل ہے کیونکہ فائدہ مترتب نہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ وہ شرع کے دائرے میں نہ ہو۔ ورنہ تھیٹر، بائیسکوپ وغیرہ تمام تماشہ جات لھو الحدیث سے خارج ہو جائیں گے کیونکہ ان پر بہت فوائد مترتب ہوتے ہیں خدائی قدرت کا ظہور، عبرت خیز واقعات کا سامنے آنا مکاروں اور فریب بازوں کے حالات پر اطلاع کے علاوہ۔ فرحت قلبی دل کا بہلاوہ۔ تفکرات کا ازالہ اس قسم کے بہتیرے فوائد ہیں۔ اگر کہا جائے کہ یہ فوائد معازف میں داخل ہیں اس لئے حرام ہیں تو پھر گیت بھی معازف میں داخل ہے۔ چنانچہ اوپر ذکر آ چکا ہے۔ بہر صورت گیت حرمت سے باہر نہیں ہو سکتا۔ اور جب حرمت سے باہر نہ ہوا تو لِیُضِلَّ میں لام کا تعلیل کے لئے ہونا بھی درست ہو گیا۔

۳۔ گیت کے عدم جواز کی تمام احادیث کو ضعیف کہنا یہ بھی غلط ہے۔ اصول حدیث کے موافق مجموعہ مل کر احادیث صحت کو درجہ کو پہنچ جاتی ہیں، خاص کر جب بخاری کی معازف والی حدیث بھی ان کے موافق ہو۔ اور لھو الحدیث اور وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ کی جو تفسیر سلف نے کی ہے اس کو بھی ساتھ شامل کیا جائے تو یہ کتنی بڑی زبردست دلیل بن جاتی ہے۔

۴۔ اگر بالفرض گیت جائز ہو تو گراموفون پھر بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ گراموفون بمنزلہ تینات (گانے والی لونڈیوں) کے ہے جن کی خرید و فروخت بالاتفاق حرام ہے۔ عبد اللہ امرتسری روپڑی

میت کے قرض کی ادائیگی بذمہ ورثاء

سوال :- ادائے دین متوفی کے متروکہ میں سے تو بالاتفاق ضروری ہے کیونکہ نص قطعی من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین الآیۃ وارد ہے۔ لیکن اگر میت نے کوئی مال نہ چھوڑا ہو جس سے قرضہ ادا ہو سکے۔ تو میت کے قرضہ کا ادا کرنا ورثاء کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟

اس کی بابت علماء کی مختلف آراء ہیں بعض تو کہتے ہیں کہ میت کا قرضہ وارثوں کے ذمہ ادا کرنا واجب نہیں ہے وارث احسانا ادا کر دیں تو اور بات ہے ہاں اگر کوئی وارث کسی کا دین ادا کرنا اپنے ذمہ واجب کہے تو پھر واجب ہو جائے گا ــــــ مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری اور مولانا ابوالقاسم صاحب بنارسی وغیرہ اسی کے قائل ہیں وہ یہ دلائل بیان کرتے ہیں قرآن میں ہے لا تزر وازرۃ وزر اخری یعنی کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور حدیث میں مَنْ تَرَکَ مَالاً فَلِوَرَثَتِہٖ وَمَنْ تَرَکَ کَلاًّ فَعَلَیْنَا۔ جو مال چھوڑ دے۔ وہ وارثوں کے لئے ہے جو بوجھ یعنی قرض چھوڑ دے وہ ہمارے ذمہ ہے نیز یہ کہ ورثاء کے ذمہ قرض ادا کرنا ثابت نہیں بعض کہتے ہیں کہ قرض ادا کرنا ورثاء کے ذمہ لازم ہے ترمذی میں حدیث ہے۔

جَاءَتْ اِمْرَأَۃٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ اُخْتِیْ مَاتَتْ وَعَلَیْہَا صَوْمُ شَہْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ قَالَ اَرَئَیْتِ لَوْ کَانَ عَلٰی اُخْتِکِ دَیْنٌ اَکُنْتِ تَقْضِیْنَہٗ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَحَقُّ اللّٰہِ اَحَقُّ۔

ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا میری ہمشیرہ فوت ہو گئی ہے اس پر پے در پے دو ماہ کے روزے ہیں آپ نے فرمایا۔ اگر تیری ہمشیرہ پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتی؟ کہا ہاں فرمایا پس اللہ کا حق زیادہ لائق ہے اور دیگر حدیث اَرَئَیْتَ لَوْ کَانَ عَلٰی اَبِیْکَ دَیْنٌ تَقْضِیْتَہٗ الحدیث اگر تیرے باپ پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتا۔ ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مورث کا قرضہ ادا کرنا وارث پر ضروری ہے۔ مولانا ابوسعید محمد حسین مرحوم بٹالوی اور مولانا حمید اللہ میرٹھی وغیرہ علماء اس کے قائل ہیں۔ اس مختلف الآراء پر منصفانہ فیصلہ فرمائیں۔

عبد القادر بامہ بالا ضلع منٹگمری

جواب ۔ حقوق العباد دو طرح کے ہیں، ایک جو قضاءً ذمہ ہوتے ہیں، صاحب حق قاضی کے پاس دعویٰ کر کے وصول کر سکتا ہے جیسے کسی کو روپیہ قرض دیا یا کسی پر کوئی شے فروخت کی یا کوئی شے مہر مقرر کر لی یا کسی شے پر صلح کر لی، اس قسم کے حقوق قضاءً لازم ہوتے ہیں، صاحب حق ہر طرح سے وصول کر سکتا ہے۔

دوسرے حقوق جو احسان اور مروت کے طور پر ذمہ ہوتے ہیں وہ بھی ادا کرنے ضروری ہیں۔ مگر ان میں یہ صورت نہیں ہوتی کہ جس کے ذمہ ہیں، اگر ادا نہ کرے تو حق دار قاضی کے پاس دعویٰ کر کے وصول کر لے مثلاً دروازے پر سائل آ جائے تو سائل کے مستحق ہونے کے سائل کو نہ دینا بڑا بھاری گناہ ہے لیکن اگر کوئی شخص نہ دے تو اس کی بابت سائل قاضی کے پاس دعویٰ نہیں کر سکتا، اسی طرح شریعت نے ہمسایہ کا حق بڑا رکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمسایہ کے حقوق کی بابت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے اتنی وصیت کی کہ میں ڈر گیا کہیں اس کو وارث نہ بنا دیں۔ یہاں تک فرمایا کہ اگر گھر میں گوشت پکاؤ تو پانی زیادہ ڈال لیا کرو تاکہ شوربا زیادہ ہو جائے اور ہمسایہ کو بھی پہنچ جائے۔ اس طرح یتیم بچوں کی اور بیوہ عورتوں کی خبر گیری نہایت ضروری ہے اور صلہ رحمی کی تو اتنی تاکید آئی ہے کہ قاطع رحم پر جنت حرام کر دیا۔ اور اسی بناء پر فرمایا اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ یعنی زکوٰۃ ادا کر کے انسان یہ نہ سمجھے کہ میں فارغ ہو گیا بلکہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔ اور اس آیت میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ یعنی باوجود محبت مال کے قرابتیوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں کو مال دیا اور گردنوں کے آزاد کرنے میں خرچ کیا اور نماز قائم کیا اور زکوٰۃ دی۔

اس آیت میں زکوٰۃ کا الگ ذکر ہے قرابتیوں، مسکینوں، یتیموں کے ساتھ سلوک کرنے کا الگ ذکر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں لیکن یہ سب حقوق دیانت اور احسان اور مروت کے طور پر ہیں، قضاءً نہیں۔ ہاں بعض دفعہ یہ قضاء کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جیسے حدیث میں ہے جب کسی کا کوئی مہمان ہو اور مہمان نے محرومی کی حالت میں صبح کی تو وہ جبراً مہمانی لے سکتا ہے اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس کی امداد کر کے اس کو مہمانی دلائے۔ اس طرح جب

انسان بھوک سے لاچار ہو تو کسی دوست یار یا ہمسایہ کے گھر میں جاسکتا ہے جیسے مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھوک سے بے قرار ہو کر ایک انصاری کے پاس اس کے باغ میں گئے وہ بڑی خاطر سے پیش آیا۔ اسی طرح مشکوٰۃ باب الغضب میں ہے کہ کوئی مسافر جنگل میں، بکریاں وغیرہ پاسے اور مالک موجود نہ ہو تو تین آوازیں دے اگر کوئی مل جائے تو اس سے اذن لے لے ورنہ اذن کے بغیر دودھ دھو کر پی لے اور ساتھ نہ اٹھائے اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے کوئی کسی کے جانور کا دودھ بغیر اجازت کے نہ دھوئے پہلی حدیث مجبوری پر محمول ہے اور یہ غیر مجبوری پر یعنی جب انسان بھوک سے مجبور ہو اور مالک نہ ملے تو بغیر اجازت کے دھو لے۔ غرض مجبوری کی حالت میں بعض دفعہ یہ عام حقوق قضاء کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اگر اجازت مل جائے تو بہتر ورنہ جس طرح ہو انسان لے سکتا ہے کیونکہ انسان نے کسی طرح اپنی جان تو بچانی ہے۔ اگر دوسرا خیال نہ کرے تو بغیر اجازت یا جبراً ہی سہی لیکن ان حقوق میں اور قضاء حقوق میں پھر بھی فرق رہتا ہے وہ یہ کہ مجبوری کا وقت گذر جائے تو پھر ان کا کوئی اثر نہیں۔ مثلاً مہمان بھوکا بغیر مہمانی کے چلا آئے اور وقت گذر جائے تو اب یہ کوئی قرض نہیں کہ اس کو دعویٰ کر کے وصول کر لے کیونکہ ایک وقتی مجبوری کے لئے تھا جب وہ گئی تو اس کی حالت بدل گئی جیسے اضطراری حالت میں مردار جائز ہے لیکن اگر نہ کھائے اور وقت گذر جائے تو اب نہیں کھا سکتا ٹھیک اسی ضرورت کے وقت جبراً مہمانی لے سکتا تھا۔ لیکن جب وہ وقت گذر گیا تو اب جبراً یا بغیر اجازت کے لینے کا حکم بھی جاتا رہا۔ ——— اس تفصیل سے سوال حل ہو گیا اور سوال میں جو دو قسم کی احادیث ذکر کی ہیں۔ ان میں موافقت ہو گئی حدیث مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ اور آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ قضائی حقوق کے لئے ہیں۔ حدیث لو کان علی اختک دین اور حدیث لو کان علی ابیک دین احسانی حقوق کے لئے ہیں میت کی طرف سے وارثوں کا قرضہ ادا کرنا احسانی حقوق کی قسم سے ہے قرض خواہ دعویٰ تو نہیں کر سکتا۔ لیکن وارثوں کو لازم ہے کہ میت کو بوجھ سے ہلکا کریں اور ان احسانی قسم کے حقوق میں اکثر طور پر سوال جائز ہے اور بعض صورتوں میں جن میں ذلت ہے سوال جائز نہیں۔ مثلاً دروازے دروازے پھر کر پھر لقمہ لقمہ مانگنا منع ہے اور ہمسایہ کے گھر سے کسی وقت نمک مرچ یا کسی وقت سالن مانگ لینا یا کسی وقت ایک آدھ روٹی لے لینی اس کا کوئی حرج نہیں آیت کریمہ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ کے شان نزول میں

میں تفسیر میں قیس بن صرمہ کا واقعہ لکھا ہے کہ اس کی بیوی کھانا لینے کے لئے دوسرے گھر گئی۔ اس قسم کے بہت واقعات ہیں اس طرح اپنے قریبی سے کسی شے کی حاجت ہو تو سوال کرنا تو کجا اور ڈال کر بھی لے سکتا ہے جس کو لحاظ ملاحظہ کہتے ہیں یا گاڑھا تعلق کہتے ہیں۔ اسی بناء پر وفات کے وقت حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو کہا دیکھ مجھ پر کتنا قرض ہے حساب کیا تو قریباً چھیاسی ہزار درہم ہوا۔ فرمایا اگر آل عمرؓ کا مال کافی ہو تو ادا کر ورنہ بنی عدی بن کعب میں سوال کر اگر ان کے مال بھی کافی نہ ہوں تو قریشیوں میں سوال کر اور قریشیوں کے علاوہ کسی اور سے سوال نہ کر کیونکہ ہمارا اصل زور یہیں تک ہے) بخاری جلد اول مناقب عثمان۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

غریب کا قرضہ زکوٰۃ میں وضع کرنا

سوال۔ غریب لوگ قرضہ اٹھا لیتے ہیں مثلاً کسی دکاندار سے سودا سلف لے لیتے ہیں لیکن وہ قرض ادا نہیں کر سکتے۔ آخر قرض خواہ کو کہہ دیتے ہیں کہ تو اپنا روپیہ زکوٰۃ میں وضع کر لے تو کیا وہ زکوٰۃ درست ہو گی۔

جواب۔ اس میں زکوٰۃ دینے والے کا اپنا مفاد ہے قرضہ وصول نہیں ہوتا۔ اس طریقہ سے وہ اپنا قرضہ وصول کرنا چاہتا ہے۔ ہاں جیسے غریبوں کو زکوٰۃ دی جاتی ہے اس طرح اس کو زکوٰۃ دیدے اور اپنے قرضہ کا ذکر نہ کرے۔ پھر وہ اپنی مرضی سے اپنا قرض ادا کر دے تو اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ مگر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ شرعاً وہ مصرف زکوٰۃ ہے یا نہیں کیونکہ بعض دفعہ قرضہ کی وصولی کی طمع میں ویسے ہی مصرف سمجھ لیا جاتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

لکھ درود اور گیارہویں کی نذر کا حکم

سوال۔ بعض لوگ لکھ درود نکالتے ہیں۔ اس کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح گیارہویں کا دودھ وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

سراج الدین ظفر وزیر آبادی

جواب۔ لکھ درود کی تعداد قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ اس پر ثواب نہیں گیارہویں حرام ہے اس لئے جو درود گیارہویں کا ہو گا۔ وہ بھی اسی حکم میں ہے ہاں کوئی شخص گیارہویں تنخے

لئے دودھ خریدنے کے بعد توبہ کرلے یا گیارہویں کی کھیر پکا کر چڑھانے سے پہلے توبہ کرے تو اس کا حکم بدل سکتا ہے کیونکہ حرمت نیت سے پیدا ہوتی ہے۔ جب نیت بدل جائے تو حکم بھی بدل جائے گا حدیث میں ہے۔ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ یعنی اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں ہاں اگر نیت کے موافق عمل ہوگیا اور چڑھاوا چڑھ گیا۔ تو اب معاملہ بالکل مکمل ہوگیا۔ اس میں اپنا کوئی دخل نہ رہا۔ اب نیت بدلنے اور توبہ کرنے سے اس چڑھاوے کی حرمت دور نہیں ہوسکتی اس کی مثال ایسے ہے جیسے انسان صدقہ خیرات کی نیت سے کوئی چیز لے کر نکلے اور مسکین کے ہاتھ پر رکھنے سے پہلے اس کی نیت بدل جائے اور گھر رکھ لے۔ تو اس پر یہ حکم نہیں لگ سکتا۔ کہ اس نے اپنا صدقہ کھا لیا۔ ہاں اگر وہ مسکین کے ہاتھ پر رکھ دے تو اب نیت کے موافق عمل ہوگیا۔ اور معاملہ مکمل ہوگیا اس لئے رجوع نہیں کرسکتا۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ نذر کا حکم اس سے علیحدہ ہے اگر کسی شے کی نذر مان لے تو نذر ماننے کے بعد اس کو گھر نہیں رکھ سکتا۔ خواہ ابھی تک قبضہ سے نہ نکال ہو۔ اور اسی حکم میں قربانی کا جانور ہے جب قربانی کی نیت سے کوئی جانور پرورش کرے گا۔ یا خریدے گا۔ تو اس کو گھر نہیں رکھ سکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک دینار دیا۔ تاکہ اس سے قربانی کا جانور خرید لائے اس صحابی رضؓ نے ایک دینار سے دو دنبے خرید لئے ایک دنبہ ایک دینار میں فروخت کردیا۔ اور ایک دنبہ اور ایک دینار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہمیشہ کے لئے تجارت میں برکت کی دعا دی۔ اور دنبہ قربانی کے لئے رکھ لیا اور دینار خیرات کردیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینار قربانی کے لئے دیا تھا اس میں نفع کی نیت نہ تھی۔ مگر غیر متوقع طور پر نفع ہوگیا اس لئے نفع گھر رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ جب اس قسم کے منافع میں اتنی احتیاط ہے۔ تو اصل قربانی کا جانور کس طرح رکھ سکتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس شے کی نیت خیرات کی ہوگی اگرچہ وہ اتنے سے خیرات نہیں بنتی۔ مگر اس کا رکھنا خیر و برکت نہیں بلکہ اس کا صدقہ و خیرات کردینا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ نیت نیک اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس لئے اس کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ برخلاف اس شے کے جو گیارہویں کی نیت سے کی گئی یا جو چڑھاوے کی نیت سے تیار کی گئی ہے اس کا گھر رکھنا ضروری ہے کیونکہ اس میں گناہ کا ترک ہے۔ پس نیت

برسلنے اور توبہ کرنے سے وہ حلال طیب ہوجاتی ہے۔

یہ تو عبادت کا حکم تھا رہی بدنی عبادت جیسے نماز روزہ وغیرہ تو اس کے متعلق حنفیہ کا تو یہ فیصلہ ہے کہ شروع کرنے سے واجب ہوجاتی ہے لیکن اہلحدیث کہتے ہیں کہ نماز شروع کرکے یا روزہ رکھ کر توڑ سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے۔ اَلْمُتَطَوِّعُ اَمِيْرُ نَفْسِهٖ یعنی نفل والا اپنے نفس کا امیر ہے یعنی خود مختار ہے تفصیل ہماری عنه شرح مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اول زیر حدیث طلحہ بن عبید اللہ ملاحظہ ہو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

من قال لا الٰہ الا اللہ کا معنی

سوال :۔ ایک شخص ہمیشہ سے تارک نماز، تارک حج تارک زکوٰۃ رہا۔ باوجود سمجھانے کے وہ پابند ارکان اسلام نہ ہوا لیکن جب فوت ہونے لگا تو اس کی زبان پر کلمہ لا الٰہ الا اللہ جاری تھا اسی طرح بعض قبر پرست مشرک بھی مرتے وقت کلمہ پڑھ لیتے ہیں مرزائی بھی عند النزع کہہ لیتے ہیں تو کیا حدیث من کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کے یہ لوگ مصداق ہوسکتے ہیں؟ اگر ہوسکتے ہیں تو زندگی میں ان کو کافر مشرک کیوں کہا گیا ہے اس کی صحیح تعبیر کیا ہے؟

جواب :۔ حدیث من کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ اپنی جگہ ٹھیک ہے ہم نے آج تک کوئی ایک مرنے والا نہیں دیکھا، کہ وہ مشرک وغیرہ ہو اور اس کا آخر کلام کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہو۔ یہ اختیاری چیز نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری ہوتا ہے مشرک کا خاتمہ اس کلمہ پر باوجود مشرک ہونے کے نہیں ہوسکتا۔ اور اگر کسی کے مشاہدے میں یہ چیز آئی ہو تو وہ لفظاً کلمہ ہے جس کی شہادت اس کے پہلے حالات ہیں جیسے وہ اپنی صحت تندرستی میں کلمہ کا لفظ پڑھتا تھا۔ اور معنی نہیں سمجھتا تھا ایسے موت کے وقت سمجھنا چاہیئے ہاں جو صحیح معنوں میں توحید پر قائم ہے۔ اس کو مرتے وقت کلمہ نصیب ہو تو اس حدیث کی رو سے اس کے جنتی ہونے کی شہادت ہم دے سکتے ہیں۔ نیز بعض احادیث میں آیا ہے۔ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ اور بعض روایتوں میں مستیقنا بھا قلبہ کی شرط

عنه مشکوٰۃ کی یہ شرح کتاب الایمان تک لکھی تھی کہ محدث روپڑی مرض الموت میں مبتلا ہوگئے اور وفات پاگئے۔

بھی آئی ہے سو مرتے وقت بھی جو کلمہ زبان پر جاری ہو اس میں بھی یہ شرط ضروری ہے کیونکہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ سے مراد اخیری حالت ہے چنانچہ احادیث میں ہے انما الاعمال بالخواتیم

عبداللہ امرتسری روپڑی

قرآن مجید لوح محفوظ سے اترا ہے یا خدا کی طرف سے

سوال ۔ حمائل غزنویہ مخورہ حاشیہ کی پہلی آیتوں میں حاشیہ پر تحریر فرمایا گیا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا۔ قرآن مجید لوح محفوظ سے نہیں اترا۔ اور نہ پہلے وہاں لکھا ہوا تھا۔ حالانکہ سلف سے بتصریح منقول ہے کہ قرآن مجید پہلے لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا اور پھر وہاں سے نقل ہو کر بتدریج نازل ہوتا رہا۔ جواب باصواب عنایت فرمائیں۔ حافظ محمد شریف

جواب ۔ حاشیہ مذکورہ کی عبارت دیکھی گئی اس میں یہ کہیں نہیں کہ قرآن مجید لوح محفوظ میں لکھا ہوا نہیں تھا۔ ہاں لوح محفوظ سے اترنے کا انکار ہے جس سے مراد ابن تیمیہؒ کی یہ ہے کہ ابتداء اس کی لوح محفوظ سے نہیں بلکہ ذاتِ باری سے ہے چنانچہ بہت جگہ قرآن مجید میں ہے کہ اس کا اترنا خدا کی طرف سے ہے لوح محفوظ سے اس کی ابتدا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ لوح محفوظ مخلوق ہے اور قرآن خدا کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے۔ اسلام میں کئی گمراہ فرقے ایسے گذرے ہیں جو خدا کا اوپر ہونا اور قرآن مجید کا اس سے صادر ہونا تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کا خیال ہے کہ ہوا وغیرہ میں خدا نے یہ پیدا کر دیا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اور قرآن کی ان آیتوں کا انکار ہے جن میں خدا کی طرف سے اترنے کا صراحۃً ذکر ہے ایسے ہی لوگوں کی تردید میں ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوح محفوظ سے نہیں آیا یعنی ان کی ابتداء لوح سے محفوظ نہیں بلکہ خدا سے ہے۔ ہم حاشیہ کی پوری عبارت یہاں نقل کرتے ہیں اس سے آپ کے شبہ کا ازالہ بھی ہو جائے گا۔

عبارت حاشیہ

علہ امام ابن تیمیہؒ نے کہا کہ قرآن شریف میں بہت جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ سے اترا ہے۔ پھر جو کوئی کہے کہ کسی مخلوق سے آیا ہے۔ جیسے لوح محفوظ سے یا ہوا سے سودہ

جھوٹا ہے اور قرآن کا منکر اور مسلمانوں کے راہ سے الگ۔ جس چیز کا اتارنا اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ اور جو چیز کسی مخلوق سے اتاری گئی ہے اس میں فرق کر دیا پس مینہ کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً یعنی آسمان سے پانی اتارا پس مینہ کو آسمان کی طرف نسبت کیا۔ اور قرآن شریف کے حق میں بھی فرمایا کہ اس کا اتارنا ہماری طرف سے ہے۔ سو قرآن کا نازل کرنا اپنی ذات سے نسبت کیا اور کئی جگہ اتارنے کی نسبت کسی کی طرف بیان نہ کی جیسے انزلنا الحدید میں اس لئے کہ لوہا پہاڑوں کی چوٹیوں سے اترتا ہے نہ آسمان سے۔ اسی طرح حیوان کا اتارنا اسی طور پر ہے کہ نر حیوان مادہ میں پانی ڈالتا ہے سو اس میں بھی من السماء نہ فرمایا۔ اس آیت اور اس مضمون کی تمام آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ عرش کے اوپر ہے سب مخلوق سے جدا۔

امام ابن قیمؒ نے قصیدہ نونیہ میں لکھا ہے کہ ستر بلکہ اس سے زیادہ ایسی آیتیں ہیں جن میں قرآن شریف کا اللہ کی ذات سے صادر ہونا اور اللہ تعالیٰ کا ساری مخلوق سے اوپر ہونا صریح ثابت ہے۔ اور ان آیتوں میں ان معنوں کے سوا اور کسی معنی کا احتمال نہیں۔ سو یہ ایسے دو اصل ہیں کہ ان پر ہی اسلام اور ایمان قائم ہے جیسے بنیاد پر عمارت قائم ہوتی ہے اور شیخ ابن تیمیہؒ نے ذکر کیا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق سے اوپر نہیں ان کا ایک امام تھا اس سے کسی نے اللہ عزوجل کا اترنا پوچھا اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اترتا ہے پوچھنے والے نے کہا وہ حکم کس کی طرف سے اترتا ہے تیرے نزدیک تو جہان کے اوپر کوئی چیز نہیں پھر کیا صرف نابودگی سے حکم اترتا ہے تب اس کو جواب نہ آیا اور حیران ہو گیا۔ « فوائد سلفیہ »

اس عبارت کا مطلب صاف ہے کہ قرآن میں اور مخلوق میں فرق ہے مخلوق کی ابتداء مخلوق سے ہو سکتی ہے جیسے آسمان وغیرہ اور قرآن چونکہ مخلوق نہیں اس لئے اس کا نزول خدا سے ہے۔ رہا لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہونا اور وہاں سے نقل ہونا تو یہ الگ شے ہے کیونکہ لوح محفوظ میں نقوش و خطوط ہیں نہ الفاظ اور حروف۔ اور نقوش و خطوط کو مجازاً قرآن مجید کہتے ہیں نہ حقیقۃً اور ابن تیمیہؒ کی مراد اس جگہ حقیقۃً قرآن مجید ہے نہ مجازاً اور حقیقۃً قرآن مجید کا نزول بیشک خدا سے ہے اب مطلب بالکل صاف ہو گیا۔ اور کسی طرح کا شک و شبہ نہ رہا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مروجہ میلاد

سوال :۔ جو عید میلاد فی زمانہ کرتے ہیں۔ جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ عید میلاد بدعت ہے حدیث میں ہے۔ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ جو دین میں نیا کام جاری کرے وہ مردود ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

دعا میں یا جبرئیل وغیرہ کہنا

سوال :۔ دعا میں یا جبرئیل وغیرہ کہنا یا بحق محمد وغیرہ کہہ کر دعا کرنا اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ یہ وظیفہ بالکل جائز نہیں۔ ایک تو اس میں یا جبرئیل وغیرہ شرک ہے دوم اس میں بحق محمد وغیرہ ہے جو حرام ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

قرآن مجید اور حدیث کی عربی

سوال :۔ قرآن مجید اور حدیث کی عربی میں کیا فرق ہے؟

جواب :۔ قرآن مجید اور حدیث وغیرہ کی عربی کی بابت آپ نے سوال کیا ہے کہ کیا ایک جیسی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں کیونکہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مراتب پر ہے اور حدیث وغیرہ اس سے نیچے درجے پر ہے مگر اس کا فرق مادری زبان والے یا زبان کے پورے ماہر سمجھتے ہیں۔ عوام تمیز نہیں کر سکتے۔ مثلاً آپ پنجابی زبان یا اردو سے واقف ہیں تو پنجابی لفظوں میں یا اردو تحریر و تقریر میں فرق کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ فلاں کی نظم فلاں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یا فلاں کی تقریر و تحریر بڑی زبردست ہے اسی طرح عربی زبان کے مذاق الگ الگ ہیں قرآن مجید سب سے اعلیٰ پایہ پر ہے پھر عموماً انسانی فصاحت و بلاغت جامع نہیں ہوتی۔ فنی ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی پند و نصائح کو اچھے پیرایہ میں ادا کر سکتے ہیں، جیسے شیخ سعدی کوئی جنگی واقعات کا بہترین نقشہ کھینچ سکتا ہے۔ جیسے نظامی یا فردوسی کوئی اقتصادیات پر اچھا بول سکتا ہے۔ وکیلوں کو دیکھو کوئی فوجداری میں اچھا ہے کوئی دیوانی میں۔

ایک مناظر کا دوسرے مناظر سے بڑا فرق ہوتا ہے۔ مگر قرآن مجید ایسا جامع ہے کہ جس مضمون پر ہوتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی کا حصہ ہے اس لئے قرآن مجید کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

حد غنی میں تطبیق

سوال: احادیث حد غنی میں کیا تطبیق ہے بعض روایت میں خمسون درہما آیا ہے بعض روایت میں شبع یوم ولیلۃ ویوم

جواب: حد غنی کی احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ ہر ایک کی حاجت ایک اندازے پر نہیں تو کوئی مجرد ہے تو اس کو شبع یوم ولیلۃ (ایک دن ورات کا سیر ہونا) کافی ہے کوئی زیادہ اہل وعیال والا ہے تو اس کو پچاس درہم بھی بمشکل کفایت کرتے ہیں ہر شخص کو اپنی ضروری خرچ ایک دن رات کے اندازے پر غنی سمجھنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اندازہ نہیں بتایا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

احادیث میں موافقت

سوال: حدیث۔ مَثَلُ اُمَّتِی مَثَلُ الْغَیْثِ لَا یُدْرٰی اَخِرُہٗ خَیْرٌ اَمْ اَوَّلُہٗ یعنی میری امت کی مثال بارش کی ہے پتہ نہیں اس کا آخر بہتر ہے یا شروع۔ دوسری حدیث میں ہے خیر القرون قرنی کہ میرا زمانہ بہتر ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ کہ میرے صحابہ رض کو برا نہ کہو۔

جواب: حدیث مثل امتی امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے لحاظ سے ہے حدیث خیر القرون قرنی امام مہدی عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے زمانوں کے لحاظ سے چنانچہ حدیث خیر القرون میں ثم یفشو الکذب اس کا مؤید ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مستعیذہ عورت

سوال: پناہ مانگنے والی عورت کی حدیث میں اضطراب معلوم ہوتا ہے کیونکہ کسی روایت میں

آیا ہے جاء لیخطبکِ اور کسی روایت میں ہے فَقَال هَبِي نفسكِ. نیز اس عورت نے حضورؐ سے استعاذہ کیوں کیا؟ بیت نبوی وجہ تھی یا کوئی اور یہ عورت مزوجہ تھی یا بلا تزویج ہی اس کو خدمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لایا گیا تھا، تاکہ آپ اس سے نکاح کر لیں۔ امام بخاری رحؒ کی تبویب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے نکاح ہو گیا تھا. مگر لفظ هَبِي اور جاء لیخطبک سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ غیر مزوجہ تھی نیز اس کے نام میں بہت اضطراب ہے اس کو حل فرمائیں۔

جواب - راجح یہی ہے کہ دو واقعہ ہیں ایک اَلْحِقِي بِاَهْلِكِ دوسرا جاء لیخطبک پہلا جونیہ والا ہے جس کا نام امیمۃ بنت النعمان ہے بن شراحیل ہے اور بعض روایتوں میں جد کی طرف نسبت کر کے امیمہ بنت شراحیل بھی کہا گیا ہے اور ایک روایت مغازی ابن اسحٰق میں بنت کعب بھی ہے تو ممکن ہے اس کے نسب میں اوپر کعب بھی ہو۔

دوسرا واقعہ کلابیہ کا ہے اس کے نام میں اختلاف ہے کوئی عمرہ کہتا ہے کوئی سنا. کوئی فاطمہ کوئی اسماء لیکن نام میں اختلاف معمولی بات ہے اس سے صحت واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا. اسی طرح حافظ ابن حجر رحؒ نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک عورت کو دھوکا دینے کے بعد دوسری عورت کو ایسا دھوکا دینا بعید ہے. کیونکہ ایسے واقعات عموماً مشہور ہو جاتے ہیں. تو پھر دوسری عورت کس طرح دھوکا کھا سکتی تھی. یہ اعتراض بھی معمولی ہے. کیونکہ دونوں واقعہ اکٹھے ہوئے جونیہ سے نکاح ہوا تھا. کلابیہ سے خطبہ کرنا چاہتے تھے. دونوں اکٹھی لائی گئیں. دونوں کو استعاذہ کا سبق پڑھایا گیا آپ ایک کے پاس گئے. اس نے استعاذہ کیا دوسری کے پاس گئے. اس نے بھی استعاذہ کیا

اور دونوں میں معاملہ ابو اسید رضؓ کے سپرد ہونا یہ اس بات کا مؤید ہے کہ واقعہ اکٹھا ہوا ہے. اور حافظ ابن حجر رحؒ نے جو لکھا ہے کہ ممکن ہے. حضرت عائشہؓ کی حدیث جس میں اَلْحِقِي بِاَهْلِكِ ہے. اور سہل بن سعدؓ کی حدیث جس میں جاء لیخطبک ہے ایک واقعہ ہو اور ابو اسید رضؓ کی حدیث جس میں هَبِي نفسكِ ہے اس میں چونکہ خوش طبعی کے لئے ہبہ کا ذکر ہے اور ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے اور نکاح کا ذکر ہے اس وجہ سے اس کو الگ واقعہ قرار دینا قوی ہے یہ بھی اس بات کا مظہر ہے کہ واقعہ اکٹھا ہوا ہے کیونکہ جب معاملہ بھی ابو اسید رضؓ کے سپرد ہے اور دونوں عورتیں بھی ایک ہی قوم کی ہیں. یعنی بنی جون سے ہیں. تو پھر واقعہ اکٹھا ہونا اور زیادہ

مناسب ہوگیا۔ اور اس صورت میں جس کے نام میں اختلاف ہے وہ کلابیہ نہیں ہوگی بلکہ وہ بھی جو تیرہ ہوگی اور اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ کلابیہ ہونے کی کوئی پختہ روایت نہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ امام بخاری رح کی رائے کا خلاف ہوگا۔ لیکن اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اِلْحَقِی بِاَھلِکِ طلاق میں صریح نہیں لیکن امام بخاری رح کی نظر دقیق ہے حضرت عائشہ رض اور ابواسید رض کی حدیث کو ایک واقعہ قرار دینا اور سہل بن سعد رض کی حدیث کو دوسرا واقعہ قرار دینا یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ جس روایت میں کلابیہ ہے اگرچہ وہ پختہ نہیں مگر احادیث کو اس طرح ملانا کہ وہ بھی بیچ میں آجائے بہتر ہے بہرحال واقعہ اکٹھا ہونے کی صورت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ رہا سبب استعاذہ تو وہ اغواء بھی ہو سکتا ہے۔ اور ہیبت بھی ہو سکتی ہے لیکن اول راجح ہے کیونکہ اس بابت کی حدیثیں آئی ہیں اور یہ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللہُ لَکَ کے واقعہ سے کوئی بڑا نہیں یہ گھروں کے فتنے ہیں۔ جن کی بابت حدیث میں ہے یُکْفِرُھَا الصَّلٰوۃُ

عبداللہ امرتسری روپڑی

حضورؐ کے کفن دفن میں شیخین کا موجود ہونا

سوال :۔ کسی روایت سے تحریر فرمائیں کہ بوقت کفن دفن آنحضرت صلعم شیخین ابوبکر رض وعمر رض موجود تھے؟

جواب :۔ تاریخ ابن ہشام کے اخیر میں یہ روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کی بابت اختلاف ہوا کہ کہاں دفن کریں تو حضرت ابوبکر رض نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رض سے بڑھ کر کام کیا ادھر انقلاب سلطنت کے فتنہ کو فرد کیا دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں بھی حصہ لیا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

وَعَدَ اللہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ الآیۃ

سوال :۔ وعد اللہ الذین امنو امنکم وعملوا الصلحت لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ الآیۃ اس

آیت کے متعلق یہ دریافت ہے کہ یہ وعدہ صحابہؓ تک ہی تھا یا تاقیام قیامت ہے؟ اگر شق ثانی تسلیم ہے تو خلافتِ عثمانیہ ترک حق ہے اور حق ہونے سے ان کا مذہب حق ہونا مطلوب ہے لہٰذا فرقہ ناجیہ وہی ہے جس کی خلافت زمین میں ہے لہٰذا فرقہ حنفیہ فرقہ ناجیہ ہوا نہ اہلحدیث وغیرہ۔

جواب۔ آیت کریمہ وعد اللہ الذین آمنوا منکم میں جو وعدہ ہے وہ ہے تو قیامت تک مگر چونکہ خلفاء کے ہاتھ پر یہ وعدہ ایک مرتبہ پورا ہو چکا ہے۔ اور وہ اس آیت کا مصداق ہو چکے ہیں اس لئے اب ان کی مخالفت کرکے کوئی اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتا۔ اگر ان کی مخالفت کی صورت میں بھی کسی کو اس آیت کا مصداق قرار دیں، تو نصاریٰ اول مصداق ہوں گے اور جب اس آیت کا مصداق بننے کے لئے ان کی موافقت ضروری ہوئی تو فرقہ حنفیہ (تقلید شخصی کو شرعی حکم سمجھنے والا) اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتا، کیونکہ ان کی روش خلفاء کے زمانہ کے خلاف ہے اور بدعت تقلید میں مبتلا ہیں۔ جس کی نوبت شرک فی الرسالۃ تک پہنچ گئی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

تاش، گنجفہ، چوسر وغیرہ کھیلنا

سوال۔ تاش گنجفہ چوسر وغیرہ کھیلنے والے اور روزانہ عدالتوں میں پیش ہو کر جھوٹی شہادتیں گذارنے والے پر شریعت کیا جرم عائد کرتی ہے؟

جواب۔ یہ کھیلیں شطرنج وغیرہ حدیث میں منع آئی ہیں (مشکوٰۃ باب التصاویر و باب اعداد الجہاد) جھوٹی شہادت کو قرآن مجید میں شرک کے ساتھ ذکر کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ۔ ایسے لوگوں پر شرعاً تعزیر ہے جو امام مناسب سمجھے تعزیر لگائے اس سے اندازہ کر لینا چاہیے۔ کہ جھوٹی شہادت کتنا جرم ہے خدا محفوظ رکھے آمین

عبداللہ امرتسری روپڑی

قرآن مجید سے تعویذ لکھنا

سوال۔ کیا قرآن مجید سے آیت لکھ کر تعویذ دینا جائز ہے؟

جواب ۔ قرآن مجید کی آیت کا تعویذ ادب کرنے والے نمازی کو لکھ کر دینے میں کوئی حرج نہیں مڑھالیا جائے تاکہ پردہ میں رہے پیشاب ہمبستری کے وقت اتار لیا جائے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

پنچائتی تعزیر

سوال ۔ کیا پنچائتی تعزیر شرعاً ثابت ہے؟

جواب ۔ جہاں حدود جاری نہ ہوں وہاں پنچائتی تعزیر لگ سکتی ہے مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف میں ہے کہ اگر کسی قوم میں کوئی گناہ ہوتا ہو اور وہ قوم ظالم کا ہاتھ پکڑنے پر قادر ہو۔ پھر وہ نہ پکڑے۔ تو خدا کی طرف سے سب پر عذاب آئے گا۔ سو پنچائتی تعزیر بھی گویا ظالم کا ہاتھ پکڑنا ہے پس یہ بھی جائز ہوگی۔ اور تعزیری رقم بھی حلال ہوگی۔ جو مسجد وغیرہ پر بے کھٹکے لگ سکتی ہے

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۲ شعبان ۱۳۵۵ھ

چوپایہ سے بدفعلی پر ایک شہادت ہو تو کیا حکم ہے

سوال ۔ ایک شخص نے خلاف فطرت انسانی بھینس وغیرہ سے بدفعلی کی بعد ازاں فاعل اپنے فعل سے منکر ہے اور نیز بجز شاہد واحد کے دیگر کوئی شاہد بھی نہیں ہے اب شاہد و فاعل کے بارہ میں شریعت کیا حکم نافذ کرتی ہے۔

جواب ۔ سوائے مسئلہ ولادت۔ رضاعت وغیرہ کے جس کا تعلق عورت سے ہے بالاتفاق نصاب شہادت میں تعدد شرط ہے صورت سوال میں تعدد نہیں۔ اس لئے فاعل پر کوئی حد جاری نہیں ہوسکتی ہاں شاہد کو کچھ تنبیہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ جس فعل کی یہ شہادت دے رہا ہے وہ زنا کی قسم ہے

——— زنا میں ایک یا دو یا تین شہادت دیں اور چوتھی شہادت جیانہ ہو تو شاہدوں پر اسی اسی درے حد آتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں صراحت آئی ہے۔ تو اس شاہد پر بھی کچھ تعزیر چاہیئے پورے اسی درے حد اس لئے نہیں کہ یہ زنا غیر جنس سے ہے جو حقیقت میں زنا نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

کیا شرابی خدا اور رسول کا دوست ہے؟

سوال ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شرابی لایا گیا۔ اس کو جوتوں کی حد ماری گئی دوبارہ پھر اس کو لایا گیا اس نے پھر شراب پی ہوئی تھی پھر حد مارنے لگے تو بعض نے کہا بُرا شخص ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بُرا نہ کہو کیونکہ اس کے دل میں رب اور رسول کی محبت ہے کیا یہ واقعہ اس طرح صحیح ہے؟

جواب ۔ ایک شخص جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار ہے۔ شراب پینے پر اس کو ایک دفعہ حد ماری گئی اس نے پھر کسی دن شراب پی لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ دوبارہ اس کو حد ماری گئی ایک شخص نے کہا اللّٰھُمَّ العنہ ما اکثر ما یوتیٰ بہ اے اللہ! اس کو لعنت کر کس قدر بہت لایا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا تلعنوہ فو اللہ ما علمت یحب اللہ ورسولہ اس کو لعنت نہ کرو۔ میرے علم میں یہ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے۔

یہ حدیث "باب مالا یدعی علی المحدود" میں ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو حد لگائی جائے اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے ایسے شخص پر بد دعا کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ نے باب ہی یہ باندھا ہے اسی طرح ایک زانیہ عورت کو سنگسار کرتے وقت خالد بن ولیدؓ نے لعنت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔ اور فرمایا خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر چنگی والا بھی کرے تو بخشا جائے۔ (مشکوٰۃ باب الحدود)

جب زانی پاک ہو جاتا ہے تو شرابی پاک ہو جائے اور خدا اور رسول کو دوست رکھے تو کیا بڑی بات ہے۔ جو شخص ہمیشہ شراب پیتا ہو اس کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس پر جنت حرام ہے چنانچہ مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے۔ اور جو کوئی اتفاقیہ پی لے پھر اس پر حد بھی جاری ہو جائے تو وہ پاک ہو گیا۔ اس کو بُرا کہنا ٹھیک نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عرش کو کتنے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے۔

سوال ۔ سورہ حاقہ میں ہے کہ عرش کو فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے مستدرک حاکم میں صحیح سند

سے آیا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کا عرش چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور قیامت کے دن چار بڑھا کر آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔ اور ابن جریر میں ابو زید سے مرفوعاً روایت ہے۔ یحملہ الیوم اربعة ویوم القیمة ثمانیة اور ابوداؤد مع عون المعبود ص ۳۶۹ میں ہے ثم فوق ذالک ثمانیة اوعال بین اظلافھم ورکبھم مثل ما بین سماء الی سماء ثم علی ظھور ھم العرش۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش اب آٹھ فرشتوں کی پشت پر ہے اور پہلی دو روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اب چار فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے دونوں کی وجہ تطبیق کیا ہے؟

جواب۔ ابوداؤد کی حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ آٹھ فرشتوں کی پیٹھ پر عرش ہے ہاں ضمیر لوٹتی ہے جس سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے مگر جب دوسری صحیح روایتوں میں چار کی تصریح ہے تو ضمیر کی مراد بعض ہوں گے۔ پس اب کوئی مخالفت نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

ایصالِ ثواب کے لئے قرأتِ قرآن

سوال۔ میت کے ایصالِ ثواب کے لئے قرأتِ قرآن کا جو عام دستور ہے اس کے متعلق صحیح مسلک کیا ہے؟

جواب۔ قرأتِ قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ قبروں پر مجاور بن کر قرآن مجید پڑھنا بالکل ثابت نہیں، ہاں دفن کے وقت سر کی طرف شروع آیات سورۃ بقرہ کی اور پاؤں کی طرف اخیر آیات بقرہ کی پڑھنے کا ذکر آیا ہے اس طرح کی بعض روایتیں دیگر سورتوں وآیتوں کی بابت بھی وارد ہوئی ہیں۔ جو زیادہ ترضعیف ہیں خیر ان پر کوئی عمل کرے تو منع نہیں مگر ایصالِ ثواب کا مروجہ طریق جو قبروں پر مجاور بن کر یا گھروں میں یا مسجدوں میں حلقے باندھ کر پیسوں پر یا بغیر پیسوں کے پڑھا جاتا ہے اس کا ثبوت نہیں۔ خاص کر پیسے لیکر ختم کرنا اور اس کا ثواب پہنچانا یہ کسی کا مذہب نہیں بلکہ پیٹ کے بندوں کی اختراع ہے۔ ایصالِ ثواب کی اگر کوئی صورت ہو سکتی ہے تو صرف وہی ہو سکتی ہے جس کا ذکر بعض روایات میں آیا ہے تفصیل کے لئے مولوی عبدالرحمن مبارکپوری مرحوم کا رسالہ کتاب الجنائز ملاحظہ ہو۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

حد اور گناہ

سوال: حد لگنے کے بغیر گناہ معاف ہو سکتا ہے اور حد سے کیا مقصود ہے۔

جواب: مشکوٰۃ باب قطع السرقۃ میں ہے کہ صفوان بن امیہؓ مدینہ میں آئے مسجد میں سو گئے اور اپنی چادر سر کے نیچے رکھ لی۔ ایک چور آیا اس نے چادر سر کا لی۔ صفوان نے اس کو پکڑ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا۔ صفوان نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے پاس لانے سے میرا یہ مطلب نہ تھا کہ آپ ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمائیں یہ چادر اس پر صدقہ ہے فرمایا میرے پاس لانے سے پہلے کیوں معافی نہ دی۔ فصل رابع مشکوٰۃ میں حضرت عائشہؓ کی افک کی حدیث میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ! مجھے تیرے متعلق اس طرح اس طرح خبر پہنچی ہے اگر تو اس سے بری ہے تو خدا تجھے بری کر دے گا۔ اور اگر تو گناہ کے ساتھ آلودہ ہو گئی تو خدا سے بخشش مانگ اور اس کی طرف توبہ کر کیونکہ بندہ جب خدا کے پاس گناہ کا اقرار کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو خدا اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہو گیا کہ بغیر حد لگنے کے بھی چوری، زنا وغیرہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور مشہور حدیث جس میں ایک شخص کے سو خون کرنے کا ذکر ہے۔ پھر اس نے نیک بستی کی طرف ہجرت کی۔ اور راستہ میں مر گیا اور بخش دیا گیا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حد لگنی ضروری نہیں۔ ہاں امام کے پاس معاملہ پہنچ جائے تو پھر امام پر یہ ضروری ہے کہ حد لگائے جیسا کہ صفوان کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کی تصدیق موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی وہ لوگ حد سے مستثنیٰ ہیں جو تمہارے قابو پانے سے پہلے تائب ہو جائیں۔ پس جان لو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو خود بخود حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے تائب ہو جائے اس کا گناہ ویسے ہی معاف ہو جاتا ہے خواہ حکومت اسلامی ہو یا غیر بلکہ اگر حاکم کے پاس پہنچنے کے بعد بھی بھاگ کر دوسری حکومت میں چلا جائے۔ اور دل سے تائب ہو جائے تو امید ہے خدا معاف کر دے گا۔ کیونکہ حدود کا اصل مقصد تنبیہ ہے

تاکہ آئندہ کوئی گناہ کی جرأت نہ کرے اور گناہ کا سدباب ہو جائے اگر گاؤں کے ساتھ حد لازم ہوتی تو حاکم کے پاس خود بخود اس کو حاضر ہونا ضروری ہوتا۔ مگر جب یہ بات نہیں۔ تو پھر خدا کے نزدیک توبہ کافی ہے ہاں اتنا ضروری ہے کہ جہاں وہ بھاگ کر جائے وہاں شرعاً رہنے کی اس کو اجازت ہونی ضروری ہے۔ جیسے عرب سے ہندوستان میں آجائے اگر ایسی جگہ میں جائے جہاں سے ہجرت فرض ہے تو پھر شاید ہی قصور معاف ہو، آگے خدا کے سپرد۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

ترمذی اور مقدمہ مسلم کے ایک مقام کا حل

سوال۔ امام ترمذی باب "فی الاستنجاء بالحجرین" میں ایک اضطراب سند کرتے ہیں اور حدیث بخاری کو مرجوح قرار دیتے ہیں وہ حدیث زہیر عن ابی اسحٰق عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیہ کی سند سے بخاری میں مروی ہے اور یہ حدیث متصل مرفوع ہے پھر آپ یعنی ترمذی حدیث اسرائیل کو راجح بتلاتے ہیں اور یہ حدیث بقول امام ترمذی منقطع ہے۔ کیونکہ ابو عبیدہ بن عبداللہ کو اپنے باپ سے سماع نہیں۔ پس اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حدیث بخاری جو اصح الکتب ہے۔ وہ کیسے مرجوح ہو سکتی ہے۔ اور حدیث اسرائیل جو سنن کی ہے اور منقطع ہے وہ کیسے راجح ہو سکتی ہے؟ دوسرے ابو عبیدہ بن عبداللہ کو سماع اپنے باپ سے ہے یا نہیں اور بوقتِ وفات عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو عبیدہ کی کیا عمر تھی؟

۲۔ مقدمہ مسلم شریف میں ایک عبارت ہے جس کی ترکیب کا حقہ سمجھ میں نہیں آتی اس کی ترکیب اور مطلب واضح بیان فرمائیں۔

لم یکن فی نفسہ الخبر عمن روی عنہ ذالک والامر کما وصفنا جہۃ دریافت طلب امر یہ ہے کہ لم یکن کا اسم و خبر کیا ہے؟ اور لفظ روی کا فاعل کون ہے؟ اور روی معروف ہے یا مجہول فاعل کون ہے؟ اور جہت ترکیب میں کیا واقع ہے اور والامر کما وصفنا سے کیا مراد ہے

ابو محمد عبدالجبار مدرس مدرسہ دارالہدیٰ کشن گنج دہلی

جواب۔ جب کسی حدیث میں اضطراب ہو تو ترجیح باعتبار رواۃ کے ہوتی ہے اگر منقطع کے راوی زیادہ ہیں یا اوثق ہیں تو منقطع راجح ہوگی۔ ورنہ موصل۔ اگر کسی جانب کو ترجیح نہ ہو تو وہ بدستور مضطرب رہے گی۔ ترمذی نے اسی بناء پر اسرائیل کی روایت کو ترجیح دی ہے مگر ترمذی کا اس کو مضطرب

سمجھنا غلط ہے کیونکہ اضطراب تب ہوتا جب معلوم نہ ہوتا کہ حدیث میں ابواسحٰق کا استاد کون ہے اور ابواسحٰق کے شاگرد استاد کی تعیین میں مختلف ہوتے مگر یہاں یہ صورت نہیں کیونکہ بخاری کی حدیث میں ہے۔ قال (ای ابو اسحق) لیس ابو عبیدۃ ذکرہ ولکن عبدالرحمٰن ابن الاسود عن ابیہ الخ۔ اور فتح الباری میں اس عبارت کی یوں تشریح کی ہے۔ ای لست ارویہ الآن عن ابی عبیدۃ انما ارویہ عن عبد الرحمٰن۔ یہ عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ ابواسحٰق کا خود اقرار ہے کہ اس حدیث میں میرے کئی استاد ہیں۔ ابوعبیدہ بھی ہے عبدالرحمٰن بھی ہے لیکن اس وقت میں عبدالرحمٰن سے روایت کرتا ہوں پس اب کوئی اضطراب نہ رہا ترمذی کے مضطرب سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے دارمی نے روایت کیا ہے انہوں نے کچھ فیصلہ نہیں کیا اور بخاری سے پوچھا انہوں نے بھی کچھ فیصلہ نہیں کیا۔ مگر یہ ایک معمولی بات ہے کہ ایک وقت انسان کو ایک بات کی تسلی نہیں ہوتی دوسرے وقت ہو جاتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ جب ترمذی نے بخاری سے پوچھا اس وقت بخاری کو تسلی نہ ہو پھر تسلی ہو گئی ہو اس بنا پر اس کو کتاب میں درج کر دیا۔ اور ترمذی کا اس عبارت کے اصل مطلب کی طرف خیال نہیں گیا پس حدیث بخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲۔ صحیح قول یہی ہے کہ ابوعبیدہ کا سماع اپنے باپ سے نہیں، چنانچہ تہذیب اور فتح الباری میں اوپر کی عبارت سے پہلے اس کی تصریح کی ہے رہی یہ بات کہ عمر کیا تھی تو اس کی بابت تہذیب التہذیب میں ایک ضعیف روایت نقل کی ہے کہ ابوعبیدہ کہتے ہیں، میں اپنی صبح کی نماز کے لیے نکلا اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت اس کو ہوش تھی، اور شعبہ سے ذکر کیا ہے، کہ ابوعبیدہ باپ کی وفات میں سات سال کا تھا۔ اس عمر میں سماع تو ممکن ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ بچپن کی وجہ سے کھیل کود میں رہا ہو۔

۳۔ ———— اس عبارت کی ترکیب یوں کیا کرتے ہیں لم یکن فعل ناقص ہے۔ حجۃ ذوالحال موخر اور والامر کما وصفنا جملہ حال مقدم ذوالحال حال سے مل کر اسم فعل ناقص اور فی نقلہ میں ضمیر راجع ہے۔ ھذا الراوی کی طرف اور عنہ کی صاحب کی طرف ہے۔ اور ذالک کا اشارہ خبر کی طرف ہے اور علم ذالک روی کا مفعول ہے اور مراد اس سے نفس خبر ہے۔ اس صورت میں اس عبارت کا معنی یوں ہوگا۔ کہ اس راوی کا اس صاحب سے نقل کرنا جس سے اس راوی نے اس خبر کا علم روایت کیا ہے اس میں کوئی حجت نہیں اس حال میں کہ معاملہ اس طرح ہو جس طرح

ہم نے اوپر بیان کیا کہ سماع کا علم نہیں۔ لیکن میرے خیال میں بہتر ترکیب یہ ہے کہ دالاً مبتداء ہے کما وصفنا خبر ہے اور مراد اس سے فیما بعدُ ہے ای والامر کما وصفنا فیما بعد اور حجۃ خبر بعد خبر ہے اور یہ مبتداء و خبر جملہ معترضہ ہے اور لم یکن فی نقلہ الخبر عمن روی عنہ کی ترکیب بدستور ہے، اور علم ذالک لم یکن کا اسم ہے۔ اس صورت میں اس عبارت کا معنیٰ یوں ہوگا۔ کہ جب سماع معلوم نہ ہو تو اس راوی کے نقل کرنے میں جس سے اس نے روایت کی ہے اس خبر کا کوئی علم نہیں یعنی ایسی نقل سے اس خبر کا علم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ خبر موقوف رہے گی کیونکہ جب اس خبر کا علم نہ ہو تو محتمل رہی۔ شاید ہو یا نہ یعنی سرے سے اس کے وجود ہی میں شبہ ہے چہ جائیکہ حجت ہو۔

نوٹ۔ اس عبارت میں بعض اور احتمالات کی بھی گنجائش ہے جن کو کسی اور فرصت پر چھوڑتے ہیں، کوئی موقعہ ملا تو تفصیل ہو جائے گی۔ انشاءاللہ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

قیاس

سوال۔ قیاس کیا ہے اور اس کی شرائط کیا ہیں؟

جواب۔ قیاس کہتے ہیں ایک حکم کو جو منصوص ہو اس کی علت کے ذریعے دوسری جگہ ثابت کرنا مثلاً شراب کی حرمت کی علت نشہ ہے اور یہ علت بھنگ میں بھی موجود ہے تو بھنگ بھی حرام ہوئی۔ قیاس کی حجیت میں اختلاف ہے مگر جب علت واضح ہو جو ایک طرف سے دلالۃ النص ہو تو اس کی حجیت میں شبہ نہیں قیاس کی شرطوں میں اختلاف ہے کتب حنفیہ میں چار مشہور ہیں۔

۱۔ وہ حکم کسی نص سے اپنے محل پر بند نہ ہو جیسے خاصہ کہتے ہیں۔

۲۔ وہ حکم قیاس کے خلاف نہ ہو جیسے بھول کر کھانے سے روزہ کا ٹوٹنا۔

۳۔ وہ حکم بعینہٖ بغیر تغیر کے دوسری جگہ ثابت کیا جائے۔

۴۔ وہ علت ایسی نہ نکالی جائے جس سے نص کا حکم بدل جائے۔

بعض کتب حنفیہ وغیرہ میں اس سے زیادہ شرائط بھی لکھی ہیں اور امام شوکانی رح نے ارشاد الفحول میں اور نواب صدیق حسن صاحب نے حصول المامول میں بارہ لکھی ہیں اور ان میں اختلاف بھی بتایا ہے۔ یہ ایک علمی بحث ہے جس کی تفصیل کا یہاں محل نہیں، اس لئے میں نے مختصر اشارہ کر دیا

سے آپ صرف دو شرطیں یاد رکھیں،

۱۔ قیاس کسی آیت و حدیث کے خلاف نہ ہو۔ ۲۔ اس کی علت بہت واضح ہو جیسے حدیث میں کھڑے پانی سے پیشاب سے نہی آئی ہے اور علت اس کی نجاست ہے تو اس علت کی وجہ سے پاخانہ بطریق اولیٰ منع ہوا پس جب یہ دو باتیں ہوں وہاں بے کھٹک قیاس صحیح ہے کسی اور جگہ ہو یا نہ ہو۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

ایک سورۃ کو دوسری سورۃ پر فضیلت

سوال۔ کیا یوں کہہ سکتے ہیں کہ فلاں سورۃ کو دیگر سورتوں پر یا فلاں آیت کو دیگر آیتوں پر فضیلت ہے؟

جواب۔ مشکوٰۃ باب فضائل القرآن فصل اول میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سعید بن معلی کو فرمایا۔ اَلَا اُعَلِّمُكَ اَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِى الْقُرْاٰنِ کیا میں قرآن میں بڑی سورۃ نہ سکھلاؤں پھر اس کو فاتحہ سکھائی۔ اور مشکوٰۃ کے اسی باب اسی فصل میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب کو فرمایا۔ اَتَدْرِىْ اَىُّ اٰيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ کیا تو جانتا ہے کہ قرآن مجید میں بڑی سورۃ تیرے ساتھ کون سی ہے؟ پہلے تو ابی بن کعب رضؓ نے کہا اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں مگر آپ کے دوبارہ سوال کرنے پر کہا کہ آیت الکرسی ہے تو پھر آپ نے فرمایا کہ یہ علم تجھے مبارک ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورتیں اور آیتیں آپس میں فضیلت کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی ہیں۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

ابو جاد حروف کی اصلیت

سوال۔ الدین الخالص جلد اول صفحہ ۳۴۱ پر ہے قال ابن عباس فی قوم یکتبون ابا جاد و ینظرون فی النجوم ما اری من فعل ذالک لہ عند اللہ من خلاق رواہ الطبرانی مرفوعا و اسنادہ ضعیف ولفظہ رب معلم حروف جاد دارس فی النجوم لیس لہ عند اللہ خلاق یوم القیمۃ الخ

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کے بارے میں جو ابوجاد لکھتے ہیں اور ستاروں میں نظر کرتے ہیں فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ اس کام کے کرنے والے کا خدا کے پاس کوئی حصہ نہیں طبرانی نے اسناد ضعیف کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔ اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ بہت سے لوگ حروف ابی جاد کی تعلیم دینے والے علم نجوم پڑھنے والے قیامت کے دن خدا کے پاس ان کا کوئی حصہ نہیں۔ ابوجاد ابجد کی تو جمع نہیں پھر یہ ابوجاد کیا ہے؟

منتہی الادب میں علم ابجد کی بابت بیان کیا ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوا ہے کیا یہ صحیح ہے!

جواب۔ قاموس اور اس کی شرح تاج العروس میں ہے

اوقعوا فی ابی جاد ای باطل من ابی زید وھو کنیتہ من ملوک حمیر جلد ۲ صد ۳۲۵ ابوجاد میں واقع ہو گئے یعنی باطل میں اصل میں ابوجاد شاہان حمیر سے ایک کی کنیت ہے تاج العروس کی اسی جلد میں بجد کے مادہ میں ابجد کے متعلق لکھا ہے۔

قال قطرب ھو ابو جادو انما حذفت واوہ والفہ لانہ وضع لہ لدنہ المتعلم فکرہ التطویل والتکرار واعادۃ المثل مرتین تکتبوا ابجد بغیر واو ولا الف لان الالف فی ابجد والواو فی ھوز (جلد ۲ صد ۲۹۲) قطرب کہتے ہیں ابجد اصل میں ابوجاد ہے واؤ اور الف کو حذف کر کے انہوں نے ابجد لکھا کیونکہ مقصد ان کلمات سے حروف کی تعلیم ہے الف ابجد میں آگیا اور واؤ ہوز میں آگئی پس اب کے بعد واؤ کی اسی کے بعد الف کی ضرورت نہ رہی۔ اس کے اوپر اسی صفحہ پر قاموس مع تاج العروس میں لکھا ہے کہ ابجد سے قرشت تک مدین بادشاہوں کے نام ہیں ان بادشاہوں نے عربی کتابت اپنے ناموں کے حرفوں کی گنتی پر شروع کی وہ اس کے اول واضع ہیں پھر ان کے بعد لوگوں نے اور حروف پائے۔ جو ان کے ناموں میں نہ تھے ان کا نام روادف رکھا۔ اور وہ ثخذ ضظغ ہیں۔ زمخشری کہتے ہیں۔ ابوجاد مکہ کا بادشاہ ہوا ہے۔ اور ہوز حطی دو شخص مقام حرم میں ہوئے ہیں۔ جو طائف سے ہے باقی مدین میں ہوئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ شیاطین کے نام ہیں۔ سحنون نے حفص بن غیاث سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ اولاد صابور کے نام ہیں۔ ان کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر میں ابی جاد سے علم الحروف والاسماء مراد ہے جس میں مفرد اور مرکب

حروف کے خواص سے بحث ہوتی ہے اس علم والوں کا خیال ہے کہ ہر ایک حرف میں ایک سر ہے جو عالم اکوان میں جاری وساری ہے اس کی وجہ سے نفوس ربانیہ موجودات طبعیہ میں تصرف کرتے ہیں اور اس کی مناسبت سے امور غیبیہ پر مطلع ہوتے رہیں جیسے علم جفر وغیرہ ہے پھر کوئی کہتا ہے کہ سر نفس حروف میں ہے کوئی کہتا ہے ان اعداد میں ہے جو کہ ابجد کے حروف دلالت کرتے ہیں اور یہ علم صحابہ رضؓ کے بعد پیدا ہوا ہے جب تصوف میں غالی فرقہ پیدا ہو گیا۔ اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو ابجد العلوم صفحہ ۳۲۷ ملاحظہ ہو۔

مسلم میں حدیث ہے کہ ایک نبی خط کھینچا کرتا تھا جس کا خط اس کے خط کے موافق ہو جائے وہ ٹھیک ہے شاید یہ نبی شیث علیہ السلام ہوں اس صورت میں صحابہ رضؓ کے بعد پیدا ہونے سے یہ مراد ہوگی کہ اسلام میں صحابہ رضؓ کے بعد آیا ہے اور چونکہ اس نبی کے خط کا کسی کو علم نہیں اس لئے اب یہ منع ہے اور تفسیر ابن کثیر اور فتح البیان وغیرہ میں سورہ بقر کے شروع میں ابن عباس رضؓ سے ایک ضعیف روایت نقل کی ہے۔ کہ حیی بن اخطب یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ کیا الم آپ کے پاس جبریئل لیکر آیا ہے فرمایا ہاں کہا پہلے انبیاء نے تو اپنی حکومت اور اپنی امت کی مدت نہیں بتلائی صرف آپ نے بتلائی ہے پھر اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا۔ کہ کیا تم ایسے دین میں داخل ہو سکتے ہو جس کی مدت ۷۱ سال ہو؟ پھر رسول اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ کیا اس کے ساتھ اور بھی ہے فرمایا ہاں ہاں المص کہا یہ ۱۶۰ ہوئے کہا اور بھی ہے فرمایا ہاں الر کہا یہ ۲۳۱ ہوئے کہا اور بھی ہے فرمایا ہاں المر کہا یہ ۲۷۱ ہوئے پھر کہا اے محمدؐ تو نے معاملہ ہم پر خلط ملط کر دیا ہے ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ تو تھوڑا دیا گیا ہے یا بہت پھر ساتھیوں سمیت کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ابو یاسر اس کا بھائی بھی تھا اس نے کہا شاید محمد کے لئے یہ سب جمع کر دیئے گئے ہوں ان کا مجموعہ ۷۳۴ ہے پھر آپس میں کہنے لگے ہمیں اس کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔

مفسرین کہتے ہیں۔ آیۃ کریمہ ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب و اخر متشابہات انہی یہود کے حق میں اتری ہے یعنی خدا نے تجھ پر قرآن مجید اتارا اس سے آیات محکمات جو قرآن مجید کا اصل ہیں اور دوسری متشابہ ہیں۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابجد کی گنتی کا حساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھا بہر صورت اس کا کچھ

اصل معلوم ہوتا ہے لیکن مسلم کی حدیث جو اوپر ذکر ہو چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب اس علم کا پتہ لگانا مشکل ہے کیونکہ اس کا پتہ آپ ہی کے ذریعہ لگ سکتا تھا مگر آپ نے کچھ نہیں بتلایا صرف اتنا بتلایا کہ ایک نبی خط کھینچتا تھا جس کا خط اس کے موافق ہو جائے وہ ٹھیک ہے اب کیا معلوم کہ وہ خط کون سا تھا بلکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ابجد کا حساب تھا یا کچھ اور واللہ اعلم۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مسلم شریف کی ایک اسناد کا حل

سوال :- مسلم شریف جلد ثانی کے ص ۲۰۹ میں ایک سند اس طرح ہے۔

حدثنا قتیبۃ بن سعید ثنا عبدالعزیز یعنی ابن ابی حاتم عن ابی حازم عن سہل بن سعد ح وحدثنا قتیبۃ واللفظ ھذا حدثنا یعقوب یعنی ابن عبدالرحمٰن عن ابی حازم الخ (مسلم جلد ۲ ص ۲۷۹ سطر ۴ مطبوعہ انصاری دہلی)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واللفظ ھذا درمیان سند کے واقع ہے یہ کس طرف اشارہ ہے۔ اولاً تو عبارت اس طرح ہوتی واللفظ لھذا دوسرے دونوں جگہ سند میں قتیبہ ہے۔ اختلاف رواۃ نہیں پھر یوں کہنا واللفظ ھذا کس طرح درست ہے؟

جواب :- واللفظ لھذا کہنا صحیح تب ہوتا جب دوسرا راوی ہوتا اور دونوں کی عبارت میں فرق ہوتا اور یہاں راوی وہی ہے صرف اس کا استاد بدلا ہے اور اسناد کے بعد صیغ ادا میں فرق پڑا ہے۔ اس لئے یہاں واللفظ لھذا کہنا ٹھیک نہیں ہاں واللفظ ھذا ٹھیک ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ لفظ یہ ہیں، جو آگے آتے ہیں یعنی قتیبۃ نے جو دوسرے استاد سے روایت سنائی ہے اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

دو حدیثوں میں تطبیق

سوال :- ایک حدیث فضائل ابوذر صحابی میں مسلم شریف میں آئی ہے اس میں تعارض نظر آتا ہے ایک روایت میں تو یہ الفاظ ہیں،

فقال انیس ان لی حاجۃ بمکۃ فانطلق انیس حتی اتی مکۃ فراث علی ثم جاء فقلت ما صنعت قال لقیت رجلا بمکۃ علی دینک یزعم ان اللہ ارسلہ قلت فما یقول الناس قال یقولون شاعر کاھن ساحر۔ الحدیث (مسلم شریف جلد ثانی صفحہ ۲۹۶)

ایک اور روایت ابن عباس رضؓ میں اس طرح آیا ہے

لما بلغ ابا ذر مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ قال لاخیہ ارکب الی ھذا الوادی فاعلم لی علم ھذا الرجل الذی یزعم انہ یاتیہ الخبر من السماء فاسمع من قولہ ثم ائتنی فانطلق الاخر حتی قدم مکۃ وسمع من قولہ ثم رجع الی ابی ذر۔ الحدیث (مسلم شریف جلد ثانی صفحہ ۲۹۶) ان ہر دو روایات میں ظاہر تفاوت ہے پہلی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب مکہ گیا تو خود بخود اپنی ضرورت کے لئے گیا تھا۔ ابوذر رضؓ کو کوئی علم آپ کے مبعوث ہونے کا نہ تھا۔ پھر جب انیس آئے تو ان کو معلوم ہوا کہ تیرے خیال کا ایک آدمی مکہ میں ہے اور اس نے دعویٰ نبوت کیا ہے اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوذر صحابی رضؓ کو آپ کے مبعوث ہونے کا علم ہو چکا تھا۔ خود ابوذر صحابی رضؓ نے انیس کو کرسف تحقیق کے لئے بھیجا پھر آپ خود تشریف لے گئے گو اس حدیث میں اور بھی کئی باتیں ہیں مگر اور باتوں کی تشریح تو علامہ سندی رحؒ نے کر دی ہے لیکن اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اس لئے آپ مناسب توجیہ بیان فرمائیں اور غور فرما کر توجیہ موجہ بیان فرمایا کریں۔

جواب :- ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ جب انیس رضؓ نے کہا مجھے مکہ میں کچھ کام ہے۔ اس وقت ابوذر رضؓ نے بھی کہا کہ میرا کام بھی ہے ضرور جا۔ کیونکہ حضرت انیس رضؓ دونوں کاموں کے لئے گئے تھے۔ اس لئے کسی راوی نے ایک ذکر کر دیا کسی نے دوسرا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عورت کی شہادت پر رجم کا حکم

سوال :- امام ترمذی رحؒ باب ماجاء فی المرأۃ اذا استکرھت علی الزنا میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں ان امرأۃ خرجت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترید الصلوٰۃ فتلقاھا رجل فتجللھا فقضی حاجتہ منھا فصاحت فانطلق ومر بھا رجل فقالت ان

ذالک الرجل فعل بی کذا وکذا فمرت لعصابۃ من المہاجرات فقالت ان ذالک الرجل فعل بی کذا وکذا ومرت لعصابۃ من المہاجرات فقالت ان ذالک الرجل فعل بی کذا وکذا فاتوا بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما امر بہ لیرجم قام صاحبہا الذی وقع علیہا فقال یا رسول اللہ انا صاحبہا۔ الحدیث

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عورت کے کہنے سے اس مرد کو رجم کا حکم کیسے فرمایا۔ اور بالفرض جماعت مہاجرین نے گواہی دی تھی۔ کہ یہ مرد زانی ہے اس لئے آپ نے ان کی شہادت پر رجم کا حکم دیا۔ اول تو حدیث میں اس کا ذکر نہیں دوسرے اس معاملہ میں عینی شہادت ہونی چاہیئے۔ اور یہاں عینی شہادت نہیں صرف عورت کا کہنا ہے اور نہ اس شخص کا اقرار ہے حکم رجم بلا شاہدین عینی آپ نے کیسے فرمایا۔

جواب: ترمذی کی اس حدیث کا آخری ٹکڑہ آپ کے سوال کا جواب ہے وہ ٹکڑا یہ ہے لقد تاب توبۃ لو تابہا اہل المدینۃ لقبل منہم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی بابت فرمایا جس نے اس عورت سے زنا کیا تھا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ توبہ اہل مدینہ کرتے تو ان سے ضرور قبول کی جاتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو وحی ہو گئی تھی کہ یہ شخص اپنی جگہ دوسرے شخص کا سنگسار ہونا کبھی برداشت نہیں کرے گا۔ اس بات کے اظہار کے لئے آپ نے اس شخص کی بابت جو صرف عورت کے کہنے پر پکڑا گیا تھا۔ سنگسار کا حکم دیدیا تھا۔ تاکہ اس حکم کو سن کر اصل زانی اپنے آپ کو پیش کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

فَاِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اور فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

سوال: سورۃ مائدہ میں حضرت عیسیٰ کی دعا نقل فرمائی ہے جو آپ نے بطور شفاعت کے اپنی امت کے لئے فرمائی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اس دعائیہ آیت میں العزیز الحکیم کے الغفور الرحیم چاہیئے تھا کیونکہ مقام شفاعت ہے یہاں انت العزیز الحکیم آپ نے کیوں فرمایا دوسرے آپ کو علم ہو گیا تھا کہ میری امت نے مجھ کو اور میری ماں کو معبود ابن اللہ قرار دیا ہے پھر ان مشرکین کے لئے آپ نے دعاء مغفرت کیوں چاہی

جواب: فانک انت العزیز الحکیم کی وجہ بعض تفسیروں میں یہ لکھتے ہیں کہ شرک چونکہ

انتہائی درجہ کا بڑا گناہ ہے اس لئے انت العزیز الحکیم استعمال کیا تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ اگرچہ یہ بخشش کے لائق نہیں لیکن تو بخش دے تو تجھے کوئی روکنے والا نہیں کیونکہ تو اپنے ارادوں کے جاری کرنے پر غالب ہے۔ لیکن اندھا دھند جاری نہیں کرتا بلکہ حکمت سے کام کرتا ہے رہا یہ اعتراض کہ اس سے مشرکوں کے لئے بخشش چاہیئے کا ثبوت ملتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بخشش صراحتاً منع ہے اشارۃً منع نہیں نیز حرف ان میں تعلیق ہے جس میں وقوع ضروری نہیں لینی یوں کہا ہے کہ اگر تو بخشدے اور یہ نہیں کہا کہ تو ان کو بخش دے۔ اور بخشش کا چاہنا تب ہوتا جب کہ اگر کا لفظ ساتھ نہ ہوتا میرے خیال میں ثوانت انت العزیز الحکیم کی ایک وجہ اور آئی ہے جو پہلی سے بھی عمدہ ہے وہ یہ کہ یہاں صرف اس بات کا اظہار مقصود ہے۔ کہ خدا اگرچہ شرک معاف نہیں کرتا لیکن معاف نہ کرنے کی یہ وجہ نہیں کہ معافی اس کی قدرت اور مشیئت کے تحت نہیں بلکہ وہ معاف کرنے پر قادر اور غالب ہے مگر چونکہ اس کی قدرت اور اس کا غلبہ حکمت کے ساتھ جاری ہے اور شرک کے متعلق حکمت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ معاف نہ ہو اس لئے معاف نہیں کرتا۔ اس توجیہ میں نہ ہر بخشش کا سوال ہے نہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بخشش کے سوال کے ساتھ انت الغفور الحکیم مناسب تھا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

یاجوج ماجوج کو سزا کیوں؟

سوال۔ یاجوج ماجوج اگر بنی آدم ہیں اور ان کے لئے عذاب ہے تو کوئی پیغمبر ان کی طرف آیا ہے یا نہیں؟ اگر ان میں کوئی نبی رسول نہیں آیا۔ تو پھر ان کو عذاب کیوں ہوگا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ یعنی ہم کسی قوم کو عذاب نہیں کرتے جب تک ان کی طرف کوئی رسول نہ بھیجیں؛

جواب۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یاجوج ماجوج جس دن سدِ سکندری توڑیں گے اس دن کی رات کو کام بند کرنے کے وقت کہیں گے کہ انشاء اللہ صبح اس کو توڑ دیں گے۔ یا بسم اللہ پڑھ کر شروع کریں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تبلیغ سے خالی نہیں۔ خواہ اس وقت کی لاگ چلی آتی ہو، جب کہ سدِ سکندری نہیں بنی تھی یا جنّوں کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ان کو پہنچ چکی ہو کیونکہ سدِ سکندری جنّوں کی آمد و رفت کو نہیں روکتی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب سدِ سکندری توڑیں گے

تو اس وقت ان کو تبلیغ ہو جائے گی۔ اور جو پہلے بغیر تبلیغ کے گزر چکے ان کا مواخذہ نہیں ہوگا۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

اُمتِ اجابت یا اُمتِ دعوت

سوال۔ تہتر فرقوں کی حدیث میں امتِ اجابت کے تہتر فرقے مراد ہیں یا اُمتِ دعوت کے؟ کیا مذاہبِ اربعہ اس میں داخل ہیں یا نہیں؟ اور اس میں غیر ناجی کے دخول فی النار سے خلود فی النار مراد ہے یا مجرد دخول؟

جواب۔ تہتر فرقے امتِ اجابت کے مراد ہیں۔ اور مذاہبِ اربعہ جو ہیں جو تقلید شخصی میں سخت ہیں۔ اور اس کو حکم شرعی سمجھتے ہیں وہ اس میں داخل ہیں اور اختلاف سے مراد اختلاف عقائد ہے۔ خواہ وہ عقیدہ حد شرک کو پہنچے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر جاننا اور خواہ حد شرک کو نہ پہنچے جیسے رفع الیدین پر ستم ڈھانا وغیرہ اور دخول فی النار سے عام مراد ہے خواہ خلود ہو یا نہ اگر عقیدہ بدعیہ حد شرک کو پہنچ گیا۔ تو خلود فی النار ہوگا۔ ورنہ نہیں اور معصیت کی وجہ سے دخول النار بیشک ہوگا۔ لیکن وہ انفرادی ہے۔ وہ فرقہ بندی اور مذاہب کی صورت نہیں۔ اس حدیث میں اس افتراق کا بیان ہے جو مذاہب کی صورت اختیار کرتا ہے نیز جو شخص معصیت کرتا ہے وہ معصیت کو سمجھ کر کرتا ہے تو اس کو افتراق نہ کہنا چاہیے۔ کیونکہ یہ اپنے عقیدہ کے لحاظ سے متفق ہے صرف غلبۂ شہوت سے معصیت کا مرتکب ہوا ہے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

ریڈیو اور لاؤڈ سپیکر کی شرعی حیثیت

سوال۔ ریڈیو جو ایک مشین ہوتی ہے جس کے ذریعہ خبریں، تقریریں، گانا، بجانا وغیرہ نشر ہوتا ہے اگر کوئی شخص اس وقت جبکہ تقریریں اور خبروں کا یا بازار کے بھاؤ کا وقت ہو اور گانے اور بجانے کا وقت نہ ہو ریڈیو سننا چاہے تو سن سکتا ہے یا نہیں؟

عبد اللہ، حسن دین، میاں عبد العزیز

کیر پور تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر

جواب۔ جوئے اور شراب کے ذکر میں خدا تعالیٰ نے ایک اصول بتایا ہے جس کی طرف

اس آیت میں اشارہ ہے ۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (پ ۲ ع ۱۱) اے نبی! آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں فرما دیجئے اس میں گناہ بڑا ہے اور لوگوں کے لئے فوائد بھی ہیں لیکن نفع سے گناہ بڑا ہے ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کسی شے کا نقصان زیادہ ہو اور فائدہ کم تو اس کی حرمت کی جانب راجح ہوتی ہے ریڈیو بالکل اس کی مثال ہے اس لئے کہ عام طبائع کے لحاظ سے جو شے ریڈیو سے زیادہ متعلق ہے وہ گانا بجانا ہے کیونکہ عیاشی کا آج کل دور دورہ ہے خاص کر دیہاتی لوگوں کو خبروں اور نرخوں وغیرہ کا چنداں فائدہ نہیں ان گانا بجانا اہم شے ہے جو طبائع کو مرغوب ہے اور اس میں ابتلاء کا سخت خطرہ ہے ایسے موقع پر شرعی اصول کے تحت اس کے عدم جواز اور حرمت کی جانب کو ترجیح ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نوجوان نے روزہ کی حالت میں بیوی کے بوسہ کا سوال کیا تو آپ نے منع فرمایا ایک بوڑھے نے سوال کیا تو اجازت دیدی روزہ ایک عارضی شے ہے جو تھوڑی دیر کے لئے ہے مگر طبیعت پر نظر رکھتے ہوئے ممانعت کر دی کیونکہ جوان کو پرہیز مشکل ہے

اسی اصول پر غیر محرم کے ساتھ عورت کی تنہائی اور بغیر محرم کے عورت کو سفر کرنا منع کر دیا ۔ نیز فرمایا کہ حرام بیّن ہے اور ان کے درمیان مشتبہات ہیں ان میں واقع ہونے والی کی مثال اس طرح ہے جیسے چرواہا چراگاہ کے ارد گرد مویشی چرائے ۔ خطرہ ہے کہ چراگاہ میں واقع ہو جائے جو مشتبہات سے بچا اس نے اپنا دین اپنی عزت بچالی ، غرض شریعت کے اس قسم کے اصول اس کی حرمت کی جانب کو ترجیح دے رہے ہیں ۔

لاؤڈ سپیکر

بعض لوگ لاؤڈ سپیکر (آلہ جہیر الصوت) اور ریڈیو کو ایک ہی درجہ دیتے ہیں ، میرے خیال میں ان دونوں میں بڑا فرق ہے وہ یہ کہ ریڈیو زیادہ تر دماغی عیاشی کا مرکز اور گانے بجانے کا مصرف اور خطرات کا پیش خیمہ ہے اور لاؤڈ سپیکر میں یہ باتیں نہیں کیونکہ لاؤڈ سپیکر اشد ضرورت کے وقت نصب کیا جاتا ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے گھڑی کی گھنٹی الارم اور گاڑی کا وسل اس کی سیٹی وغیرہ اس قسم کی آوازیں سب جائز ہیں اور گھنگھرو ، ٹلی وغیرہ اس قسم کی آوازیں ناجائز ہیں حالانکہ بعض دفعہ ان سے

بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثلاً اونٹ، بیل، گھوڑا وغیرہ جب جوتتے ہیں تو آواز سے ان کے چلنے ٹھہرنے کا پتہ لگتا ہے دور سے قافلوں کی آمدورفت وغیرہ معلوم ہو جاتی ہے گم شدہ کی تلاش آسان ہو جاتی ہے چرواہے کو سہولت ملتی ہے مگر باوجود اس کے احادیث میں ان کی سخت ممانعت آئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ مقصد ان سے خوش آوازی اور حظ نفسانی ہے جیسے گانے بجانے بنسری وغیرہ کی آواز میں ہے ٹھیک اسی طرح ریڈیو اور لاؤڈ سپیکر کو سمجھ لینا چاہیئے۔ پس ان دونوں کا حکم ایک نہیں۔

وآخر دعوینا الحمدللہ رب العلمین۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

انصاری نام کی وجہ تسمیہ

سوال۔ اہل مدینہ کو انصار کیوں کہا گیا؟ دور حاضرہ میں کوئی مسلمان انصاری ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ ابو ایوب انصاری دینداری کرتے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد کی اس حدیث سے ظاہر ہے جو اسلم بن عمران سے مروی ہے اور ابن کثیر نے اس کو زیر آیت وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ بیان کیا ہے اہل مدینہ کو دین کی نصرت اور امداد کی وجہ سے انصار کہا گیا ہے اس کے علاوہ قرآن مجید میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ راہ الہٰی میں جنگ کیا اور جنہوں نے جنگ کیا۔ اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اس آیت میں مہاجرین کو ہجرت اور انصار کو نصرت کے لفظ سے ذکر کیا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ اہل مدینہ کو انصار نصرت دین کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مہاجرین اور انصار مقابلۃً ذکر ہوتے ہیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں ہے۔ السابقون الاولون من المہاجرین والانصار الآیۃ (پ ۱۱ رکوع ۲) یعنی مہاجرین اور انصار جو سبقت لے جانے والے ہیں۔ مشکوٰۃ باب جامع المناقب میں حدیث ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لولا الھجرۃ لکنت امرأً من الانصار یعنی اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار سے ایک شخص ہو جاتا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ انصاری نام مہاجر کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے نیز رحمۃ المہداۃ فصل رابع مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے۔ عَنْ غَيْلَانَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ اَرَأَيْتَ اِسْمَ الْاَنْصَارِ اَنْتُمْ تُسَمَّوْنَ بِهٖ اَمْ سَمَّاكُمُ اللّٰهُ تَبَارَكَ

وتعالیٰ قال بل سمانا اللہ۔ الحدیث (رواہ البخاری)

غیلان کہتے ہیں میں نے انس رضی اللہ عنہ سے انصار کے نام کی بابت دریافت کیا کہ یہ نام تم نے خود رکھا ہے یا اللہ تعالیٰ نے؟ فرمایا ہمارا یہ نام خدا تعالیٰ نے رکھا ہے۔

اس روایت سے فیصلہ کر دیا کہ انصار نام کسی پیشہ کی وجہ سے یا قومیت کی بناء پر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ دین کی حمایت اور نصرت کی وجہ سے رکھا ہوا ہے جن کا نام خدا نے انصاری رکھا ہے ان میں شامل نہیں ہو سکتا۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ۱۱ شعبان ۱۳۵۸ھ

اختلاف کی بناء پر شاگرد کو عاق کہا جا سکتا ہے

سوال۔ شاگرد اگر اپنے استاذ سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرے تو کیا اس اختلاف کی وجہ سے شاگرد کو عاق کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ مسائل کے اختلاف سے شاگرد عاق نہیں۔ بنا بلکہ یہ ایک لازمی شے ہے اسی لئے ہمیشہ شاگرد اپنے اساتذہ کی مخالفت کرتے رہے۔ امام شافعیؒ امام مالکؒ کے شاگرد ہیں۔ مگر بہت سے مسائل میں ان کے خلاف ہیں اس لئے یہ دو مذہب الگ الگ قرار پائے۔ اس طرح امام احمد، امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں۔ مگر مذہب ان کا بھی الگ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے دونوں بڑے شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اپنے استاد سے قریباً دو تہائی مذہب میں خلاف ہیں۔ امام مسلمؒ امام بخاریؒ کے شاگرد ہیں۔ مگر بعض مسائل میں ایسے خلاف ہیں کہ استاد کے حق میں سختی پر اُتر آئے ہیں مقدمہ مسلم پڑھ کر دیکھئے اسی طرح امام بخاریؒ بواسطہ امام حمیدیؒ امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں لیکن مسائل میں امام شافعیؒ کی ذرا پرواہ نہیں کرتے۔ جو کچھ اپنی تحقیق ہے اس کے پابند ہیں جو قرون میں اس قسم کے اختلافات بہت ہیں مگر کسی اُستاد نے شاگرد کو اس بناء پر عاق نہیں کیا۔ جس شخص نے مسئلہ کے اختلاف کی وجہ سے اپنے شاگرد کو عاق کیا ہے۔ وہ خود شریعت کا عاق ہے۔ کیونکہ شریعت اندھی تقلید کی اجازت نہیں دیتی۔ اس قسم کی تقلید شریعت میں ایک امر محدث ہے جو ایسی تقلید کرانا چاہتا ہے۔ وہ ایک امر محدث کا مرتکب ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وشر الامور محدثاتها۔ پس اس شخص کو لازم ہے کہ اس بات سے توبہ کرے۔ اور آئندہ اس قسم کے مسائل میں اختلاف کی وجہ سے اپنے کسی شاگرد کو عاق

نہ کہے ورنہ خود شریعت سے خارج سمجھا جائے گا۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ضلع انبالہ
۱۲ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے؟

سوال: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے وہ جھوٹا ہے اور دلیل آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ کہ اس کو آنکھیں نہیں پاتیں وہ آنکھوں کو پاتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ ہے رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ محمد نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ اور دلیل اس کی آیت "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ" دو کمان قدر بلکہ اس کے نزدیک تر ہو گیا پیش کی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام لیتے ہیں اور حدیث ابی ہریرہ جو کہ مرفوع ہے اس میں یہ لفظ فيقال له هل رأيت الله فيقول ما ينبغي لاحد ان يرى الله (مشکوٰۃ) اس کو کہا جائے گا۔ کیا تو نے خدا کو دیکھا ہے پس کہے گا۔ کسی کو لائق نہیں کہ خدا کو دیکھے۔ یہ بھی قول عائشہ رضی اللہ عنہا کی تائید کرتی ہے۔ ان تمام ادلہ پر غور فرما کر اصل حقیقت سے آگاہ فرمائیں۔

عبداللہ لائل پوری

جواب: اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف مشہور ہے ایک طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں۔ دوسری طرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں۔ لیکن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ راٰہ بفؤادہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دل سے دیکھا ہے دل سے دیکھنے سے بظاہر کشف کی حالت مراد ہے اس صورت میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف نہیں رہتا کیونکہ جو انکار کرتے ہیں وہ رؤیت بصری سے انکار کرتے ہیں اگر بالفرض اختلاف تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس کا فیصلہ مرفوع حدیث سے ہونا چاہیئے۔ "فَلَمَّا اختلف الصحابة وجب الرجوع الى المرفوع (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۹۳) یعنی جب صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہو گیا تو مرفوع کی طرف رجوع واجب ہو گیا اور مرفوع حدیث سے عدم رؤیت ہی ثابت ہوتی ہے ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاہُ (مشکوٰۃ باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ) نور ہے میں کس طرح دیکھ سکتا ہوں اور جو حدیث آپ نے ذکر کی ہے وہ بھی اس کی مؤید ہے پس ترجیح اسی کو ہے کہ دنیا میں

خدا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۸ ؍ صفر المظفر ۱۳۵۹ھ

آثار انبیاء وغیرہ سے تبرک حاصل کرنا

سوال :۔ زید کہتا ہے کہ آثار مبارک کی زیارت اور عزت کرنا نہ صرف جائز بلکہ موجب ثواب عظیم ہے جس کے دلائل یہ ہیں :۔

دلیل اوّل :۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار ہیں جن کی نسبت حدیث شریف میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے جس نے میری یا میری قبر کی زیارت کی تو مجھ پر اس کی شفاعت واجب ہو گئی۔

دلیل دوم :۔ تاریخ اور سیر سے پتہ چلتا ہے کہ بعض صحابہؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن وغیرہ ہوتے تھے جن کو وہ بغرض احترام اپنے پاس رکھتے تھے۔

دلیل سوم :۔ قرآن شریف اور تفاسیر میں ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس ایک تابوت رہتا تھا جس میں انبیاء سابقین ؑ کے آثار ہوتے تھے۔ اس تابوت سے بنی اسرائیل کی تسکین اور تسلی ہوتی تھی اور اس کو جنگوں میں ساتھ رکھتے تھے اور اس کی برکت سے کامیاب ہوتے تھے۔ ہم بھی نبی اقدس ؐ کے آثار مقدسہ اپنے پاس رکھتے ہیں شرعاً اس کی کوئی ممانعت نہیں۔

عمرو کہتا ہے کہ ان آثار کی زیارت کرنا اور عزت و تکریم کرنا شرعاً ناجائز ہے اور بدعت ہے کیونکہ باقاعدہ ثبوت ہی نہیں کہ یہ آثار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور جب باقاعدہ ثبوت نہیں تو ایسے آثار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا گناہ عظیم ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے۔ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا پس اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لیا۔ حضور علیہ السلام کی ذات پر اس سے بڑھ کر اور کیا بہتان عظیم ہوگا۔ خدا معلوم کس کے بال ہیں جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے ان کی عزت و تکریم کی جاتی ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک صحابہ کرام بطور آثار رکھتے تو آج وہ موئے مبارک مکہ اور مدینہ میں موجود ہوتے حالانکہ وہاں ان موئے مبارک کا نام و نشان تک نہیں اور نہ ممالک اسلامیہ میں یہ آثار اس کثرت سے ہیں۔ جیسا کہ ہندوستان میں ہیں، پنجاب و سندھ کے پورے دو صوبوں میں صرف روہڑی سندھ میں ایک موئے مبارک بتایا جاتا ہے۔ اور یوپی، سی، پی اور

وغیرہ میں صرف ایک مقام یعنی دہلی کی جامع مسجد کچھ آثار موجود ہیں اور کہا جاتا ہے کہ شاہانِ اسلام نے بصرف زرِ کثیر اور بے انتہا کوشش سے ان کو حاصل کیا تھا۔ پھر کبھی محققین علماء اہل سنت والجماعت کو شبہ ہے کہ آیا واقعی وہ آثار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں یا نہیں۔ بنگلور میں ان باتوں کی بہتات اور کثرت ہی صاف شہادت دے رہی ہے کہ یہ بال جھوٹے اور جعلی ہیں۔

زید کے دلائل کی تردید

زید نے جو حدیث پیش کی ہے کہ جس نے میری یا میری قبر کی زیارت کی تو اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہوگئی اس مضمون کی تمام احادیث ضعیف بلکہ من گھڑت ہیں صحیح احادیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

دوسری جو دلیل ہے وہ بھی درست نہیں بے شک بعض روایات اور تواریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض صحابہ رضؓ کے پاس آنحضرت صلعم کے ناخن اور موئے مبارک وغیرہ ہوتے۔ مگر انہی روایات میں یہ بھی ہے کہ ان آثار کو اپنی صحابہ رضؓ کی وصیت کے مطابق ان کے کفنوں سے باندھ کر ان کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اس بات کا قطعاً ثبوت نہیں ملتا کہ صحابہ رضؓ ان کی نمائش کیا کرتے تھے یا ان آثار کی زیارت کے لئے ان کا اجتماع ہوتا تھا۔ پس جس طریقہ کو صحابہ رضؓ نے نہ کیا ہو اس کو کرنا بدعت اور گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔

دلیل سوم کی تردید۔ قرآن مجید اور تفاسیر میں بے شک ایک تابوت کا ذکر آیا ہے جو بنی اسرائیل کے پاس تھا۔ اور علاوہ انبیاء بنی اسرائیل اور سرداران بنی اسرائیل کو دیا جاتا تھا۔ بے شک بنی اسرائیل میں آثار پرستی تھی اور اس آثار پرستی کا نتیجہ ہے کہ بنی اسرائیل نے انبیاء اور اپنے سرداروں کی تصویریں اور بُت تک بنوا دیئے تھے۔ اس لئے ان پر خدا کی لعنت اور غضب بھی ہے مگر آنحضرت کو نہ تو اس قسم کا انبیاء سابقین سے کوئی تابوت دیا گیا اور نہ ہی آپؐ نے اپنے آثار کا کوئی تابوت اپنے مقدس جانشینوں یعنی صحابہ رضؓ کرام کے حوالہ کیا ہے البتہ بوقتِ وصال قرآن مجید ہی کو مضبوط پکڑنے کی وصیت زبانی ہے۔ براہِ نوازش تحریر فرمائیں کہ ان آثار کی اصلیت اور واقعیت کی تحقیق اس زمانہ میں کس طرح کی جاتے۔ غلام دستگیر سیکرٹری اہل سنت والجماعت جنوبی ہند صدر مقام ۱۰۸ آرسنگ روڈ شمس کر بنگلور

جواب: عمرو نے جو کچھ جواب دیا ہے بالکل درست ہے اکثر آثار جو آج کل لوگوں میں مروج ہیں۔

وہ من گھڑت اور من مانی کارروائیاں ہیں۔ دلیل اول میں جو زید کی طرف سے حدیث پیش کی گئی ہے۔ وہ ثابت نہیں، چنانچہ رسالہ زیارت قبر نبوی میں ہم نے اس روایت پر اور اس قسم کی دیگر روایات پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔

۲۔ دلیل دوم جس میں ناخنوں کا ذکر ہے وہ زید کے دعویٰ کی دلیل نہیں بلکہ اس کی تردید ہے کیونکہ صحابی رضؓ نے ان ناخنوں کے دفن کی وصیت کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی چیز کو پشت در پشت رکھنا اور جامعی کی نکیوں میں ڈال کر ان پھر غلاف پر غلاف چڑھانا اور خاص ایام کا تعین کر کے مردوں عورتوں کی زیارت گاہ بنانا درست نہیں اگر شرعاً یہ چیز مستحسن ہوتی۔ تو صحابی موصوف ضرور اس پر عمل کرتے اور عمل کرنے کی ترغیب دیتے۔ صحابی کا ان کو دفن کرنے کی وصیت کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ آثار صالحین کو اس قدر اہمیت دینا شرعاً مردود ہے پس ان آثار سے جو پایۂ ثبوت کو پہنچ جائیں۔ وہی برتاؤ ہونا چاہیئے۔ جو سلف صالحین نے کیا ہے اگر کسی شے سے تبرک حاصل کرنا ہو تو اس کے لئے قول تبر صحابہ رضؓ کی روش دیکھنی چاہیئے۔ کیونکہ جو محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ رضؓ کو تھی وہ کسی اور کو نہیں ہو سکتی اس سے اس لئے خدا نے ان کو اپنے نبی کی صحبت کے لئے پسند کیا اور ہمیں ان کی اتباع کا حکم دیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب بلاغ المبین کے صفحہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کی فضیلت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ان سے وہی برتاؤ کرنا چاہیئے۔ جو سلف سے مروی ہے۔ مثلاً حجر اسود کو مسح کرنا اور بوسہ دینا مروی ہے اب کوئی حجر اسود والا کام مقام ابراہیم پر کرے یعنی اس کو بوسہ دے یا مسح کرے تو یہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے نہ صحابہ رضؓ کرام سے بلکہ صحابہ رضؓ سے انکار مروی ہے ابن ابی شیبہ نے اپنی تصنیف میں عبداللہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مقام ابراہیم کا مسح کرتے دیکھ کر فرمایا کہ خدا نے تمہیں پتھر کے مسح کا ارشاد نہیں فرمایا بلکہ اس کے نماز پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے اور امام محمد برکوی نے رسالہ زیارۃ القبور طبقہ برالوافر صفحہ ۱۱۵ میں محل اجابت سمجھ کر قبروں کی زیارت کرنا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

صحابہ رضؓ نے اس سے بہت چھوٹی باتوں پر بھی انکار کیا ہے چنانچہ معرور بن سوید سے بہت سے روایت

کہتے ہے کہ راستہ مکہ میں ہم نے حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی اس میں سورہ الم تر اور سورۃ لایلف پڑھی پھر لوگوں کو دیکھا کہ اِدھر اُدھر جا رہے ہیں پوچھا یہ کہاں جاتے ہیں؟ کہا گیا اے امیر المومنینؓ ایک مسجد ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی یہ اسی میں نماز پڑھتے ہیں، فرمایا پہلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوگئیں کہ انہوں نے انبیاء کے آثار کے پیچھے لگ کر ان جگہوں میں عبادت خانے اور گرجے بنا لئے جس شخص کو ان مسجدوں میں نماز کا وقت آجائے۔ نماز پڑھے۔ ورنہ گزر جائے اس طرح جب حضرت عمرؓ کو خبر پہنچی کہ لوگ اس درخت کے پاس یکے بعد دیگرے آتے ہیں جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے بیعت الرضوان لی تھی۔ تو اس درخت کو کٹوا دیا۔ چنانچہ ابن وضاح نے اپنی کتاب میں اس کو روایت کیا ہے کہ میں نے عیسیٰ بن یونس سے سُنا وہ فرماتے تھے۔ کہ حضرت عمرؓ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا۔ جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت الرضوان ہوئی کیوں کہ اس کے نیچے لوگ نماز پڑھنے کے لئے جاتے تھے۔ تو حضرت عمرؓ کو لوگوں پر شرک کا خوف ہوگیا۔ ابوبکر خلال ؒ نے اپنی اسناد کے ساتھ حذیفہؓ بن یمان صحابی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے بازو میں تاگا کا بندھا ہوا دیکھا جو اس نے بخار کے لئے کسی سے کروایا تھا۔ تو فرمایا اگر تو مرجاتا اور یہ تاگا تجھ پر ہوتا تو میں تیری نماز جنازہ نہ پڑھتا۔

شاہ ولی اللہؒ نے بھی بلاغ المبین کے صٹا میں مکہ مدینہ کے درمیان مسجد اور درخت کے متعلق حضرت عمرؓ کی یہ دونوں روائیتیں ذکر کی ہیں۔ یعنی مکہ مدینہ کے درمیان مسجد میں نماز کا قصد کرنے کو منع کرنا اور اس درخت کے متعلق حضرت عمرؓ کی یہ دونوں روائیتیں ذکر کی ہیں یعنی مکہ مدینہ کے درمیان مسجد میں نماز کا قصد قسم کے آثار کو اور بزرگوں کے عصاء اور تسبیح وغیرہ کو کہیں نصب کر کے زیارت گاہ مقرر کر دیتے ہیں اور ان کا قصد کر کے زیارت کو آتے ہیں۔

تیسری دلیل زید نے تابوت کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ جو قرآن شریف میں پارہ ۲ کے اخیر میں مذکور ہے اس کے متعلق قرآن مجید سے جو کچھ ثابت ہے وہ صرف یہ ہے کہ تابوت کا آنا طالوت کی بادشاہت کی نشانی تھی کہ وہ خدا کی طرف سے بادشاہ مقرر ہوئے ہیں یا اس بات کی نشانی تھی کہ جب تابوت آئے اس وقت سے بادشاہ سمجھے جائیں۔

رہا زید کا یہ کہنا کہ بنی اسرائیل اس تابوت کو جنگوں میں ساتھ رکھتے تھے اور اس کی برکت سے کامیاب

ہوتے تھے سو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی کوئی روائت ثابت نہیں ہوئی جس میں یہ ذکر ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے آثار سے کامیاب ہوتے تھے۔ تفسیر فتح البیان میں ہے کہ اس تابوت میں سکینہ سے مراد یا تو رحمت اور اطمینان ہے یا چار پایہ ہے جو بلی کے انداز پر تھا۔ اس کی شعاع دار آنکھیں تھیں اور جب دو لشکر ملتے تو وہ دایہ دونوں ہاتھ نکال کر دشمن کی فوج کو جھانکتا۔ وہ اس کے رعب سے شکست کھا جاتے اور حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں سخت اور تیز ہوا تھی مجاہد رحکہتے ہیں ایک شے بلی کے مشابہ تھی، جس کا سر بلی کا تھا۔ اور چہرہ بھی بلی کا تھا۔ اور دو بازو (پر) تھے اور دم تھی اور ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ وہ سونے کا تھال تھا۔ جو جنت سے آیا تھا۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کے دلوں کو غسل دیا جاتا تھا۔ خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا اس میں تورات کی تختیاں تھیں، اور وہب؄ بن منبہ کہتے ہیں وہ خدا کی طرف سے روح تھا۔ جو کلام کرتا تھا جب بنی اسرائیل کا آپس میں اختلاف ہوتا تو وہ ان کو ہر قسم کے خبر کی بیان دیتا جو وہ چاہتے اور حسن بصری؄ سے روایت ہے کہ وہ ایک شے تھی جس سے دل مطمئن ہوتے، اور عطا بن رباح سے روایت ہے کہ وہ ان کے ہاں معروف نشانیاں تھیں جن سے ان کو اطمینان ہوتا، اور تفسیر کبیر میں امام رازی نے ابن عباس رضؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک زبرجد یا یاقوت کی شکل تھی، جس کے لئے بلی کی طرح سر اور دم تھی جب بلی کی طرح چیختی تو تابوت دشمن کی طرف جاتا، اور بنی اسرائیل اس کے ساتھ چلتے۔ جب ٹھہر جاتا ٹھہر جاتے۔ اور خدا کی طرف سے ملا اترتی، اور حضرت علی رضؓ سے نقل کیا ہے کہ سکینہ کا چہرہ انسان کا تھا، اور اس کے لئے تیز ہوا تھی۔ جو اس سے نکلتی تھی۔ اور تفسیر ابن کثیر میں حضرت علی رضؓ سے نقل کیا ہے کہ اس کا چہرہ انسان کا تھا پھر وہ تیز روح تھی اور وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ وہ مردہ بلی کا سر تھا جب تابوت میں بلی کی طرح چیختا تو بنی اسرائیل کو نصرت کا یقین ہو جاتا اور فتح ہو جاتی اور تفسیر فتح البیان میں ہے کہ حدیث میں بادل کو بھی سکینہ کہا جاتا ہے۔ جو بعض صحابہؓ پر سورۃ کہف پڑھنے کے وقت اترا۔ جس کا ذکر حدیث میں ہے۔

ان روایتوں سے جن میں دشمن پر فتح پانے کا ذکر ہے ان میں فتح کا ذریعہ حیوان ہے یا اس کا سر ہے۔ وہ آواز کرتا یا جھانکتی اور ہاتھ پھیلاتا۔ اس سے دشمن رعب میں آکر شکست کھا جاتا۔ آثار انبیاء سے شکست کا کوئی ذکر نہیں، پھر فتح البیان وغیرہ میں ان روایتوں (حیوان اور غیر حیوان والیوں) پر اسرائیلیات ہونے کا شبہ کیا ہے۔ جس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ اقوال متنافی ہیں یعنی اجتہاد و استنباط اور قواعد عربیہ کو

ان میں کوئی دخل نہیں۔ بلکہ بطور نقل کے ان علماء کو پہنچے ہیں۔ اب نقل ان کی یا تو رسول اللہ علیہ وسلم سے ہوگی یا اہل کتاب سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تو ان کی نسبت ٹھیک نہیں کیونکہ یہ اقوال ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہل کتاب سے لئے گئے ہیں جن کو اسرائیلیات کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ (مشکوٰۃ باب الاعتصام) یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو۔ اور نہ تکذیب۔ پس اس صورت میں زید کی دلیل سرے سے ساقط ہوگئی۔ اس کے علاوہ اگر فرض کر لیا جائے کہ بنی اسرائیل کو جنگوں میں آثار کی برکت سے کامیابی ہوتی تھی۔ تو صحابہ رض کے پاس جو رسول اللہ علیہ وسلم کے آثار تھے۔ مثلاً آپ کے برتن کپڑے وغیرہ انہوں نے ان سے یہ کام کیوں نہ لئے یا ان کے بعد خیر قرون میں ان باتوں پر کیوں نہ عمل ہوا کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے انبیاء علیہم السلام سے معاذ اللہ کم درجہ رکھتے تھے۔ بلکہ سید الاولین والآخرین تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ ہمارے دین میں یہ آثار پرستی نہیں اگر ہوتی تو اول نمبر وہ اس پر عمل کرتے صحابہ رض کو آپ کا اتنا ادب واحترام تھا۔ کہ وہ آپ کو سجدہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ مگر آپ نے فرما دیا کہ اگر میں غیر کے لئے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔ مگر سجدہ غیر کو جائز نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام تعظیمی کی بھی اجازت نہیں دی صحابہ رض کہتے ہیں ہم آپ کے لئے قیام کرنا چاہتے تھے۔ (مشکوٰۃ باب القیام)

پس جب آپ کی ذات وبابرکات کیلئے قیام ٹھیک نہیں۔ تو آثار کے لئے قیام کس طرح درست ہوگا۔ حالانکہ آثار پرست دست بستہ آثار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں بلکہ دعائیں بھی کرتے ہیں جیسے سوال میں مذکور ہے پھر یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ بزرگوں سے اصل محبت یہی ہے بلکہ اصل محبت ان کی اتباع ہے۔ مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق میں عبدالرحمٰن بن ابی قراد رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا۔ صحابہ رض نے آپ کے وضوء کا پانی اپنے اوپر ملنا شروع کیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ تم کیوں کرتے ہو؟ کہنے لگے اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ فرمایا جس کو خوش لگے۔ کہ خدا اور اس کا رسولؐ اس سے محبت کریں۔ تو اس کو چاہیئے۔ کہ بات کرنے کے وقت سچ بولے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے۔ تو اس میں خیانت نہ کرے اور جو اس کا ہمسایہ بنے اس سے احسان کرے۔ اس حدیث نے فیصلہ کر دیا۔ کہ اصل محبت آپ کی اتباع ہے

اور آثار سے اگر تبرک حاصل کرنا چاہے۔ تو اس میں بھی اتباع کے دائرہ سے باہر نہ نکلے جس کی اصل صورت یہ ہے کہ اول نمبر صحابہ رض کو پھر بقیہ خیر قرون کو دیکھے کہ انہوں نے کیا صورت اختیار کی تھی۔ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے اور اسی میں نجات ہے ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

عبداللہ امرتسری روپڑی

مسئلہ کاٹ

سوال۔ مسئلہ کاٹ یعنی جو لوگ مسلمان دنیا میں عیش و آرام کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ کی حلال کردہ نعمتیں کھاتے ہیں۔ کیا آخرت میں ان کا ثواب بوجہ دنیا کی لذتیں اور نعمتیں کھانے کے کاٹا جائے گا یا نہیں؟ بعض لوگ مسئلہ کاٹ کا احادیث ذیل سے استدلال کرتے ہیں۔

۱۔ مَا مِنْ غَازِيَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فَتَغْنَمُ وَتَسْلَمُ إِلَّا كَانُوا قَدْ تَعَجَّلُوا ثُلُثَيْ أُجُورِهِمْ وَمَا مِنْ غَازِيَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ تُخْفِقُ وَتُصَابُ إِلَّا تَمَّ أُجُورُهُمْ۔ الحدیث (رواہ مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۰) کوئی فوج نہیں جو جنگ کرے۔ پس غنیمت لوٹے اور سلامت رہے۔ مگر دو تہائی اجر ان کو مل گیا اور کوئی فوج نہیں جو جنگ کرے اور ناکام رہے۔ اور مصیبت پہنچائی جائے مگر ان کا اجر پورا ہو گیا۔

۲۔ إِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ يَسْبِقُونَ الْأَغْنِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى الْجَنَّةِ بِأَرْبَعِينَ خَرِيفًا۔ رواہ مسلم (کتاب الرقاق فی فضل الفقراء و مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فقراء مہاجرین قیامت کے دن چالیس سال غنیوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔

۳۔ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذٍ لما بعث به الی الیمن قال ایاك وَالتَّنَعُّمَ فَإِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوا بِالْمُتَنَعِّمِينَ رواہ احمد (مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ رض کو یمن کی طرف بھیجا۔ تو یہ وصیت کی کہ آرام طلبی اور آسودہ حال رہنے سے خود کو بچا۔ کیونکہ خدا کے بندے آرام طلب اور آسودہ حال نہیں ہوتے۔

۴۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ اسْتَسْقَى يَوْمًا عُمَرُ فَجِيءَ بِمَاءٍ قَدْ شِيبَ بِعَسَلٍ فَقَالَ إِنَّهُ لَطَيِّبٌ

لَكِنِّي أَسْمَعُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ نَعَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ شَهَوَاتِهِمْ فَقَالَ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَأَخَافُ أَنْ تَكُونَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا فَلَمْ يَشْرَبْهُ (رواہ رزین کتاب الرقاق فی الامل والحرص)

زید بن اسلم کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ پانی مانگا۔ شہد کا شربت حاضر خدمت ہوگیا۔ فرمایا یہ عمدہ ہے لیکن میں خدا سے سنتا ہوں۔ کہ اس نے کفار پر خواہشات کے پورا کرنے کا طعن کیا۔ چنانچہ فرمایا تم اپنی لذت کی اشیاء دنیا میں لے گئے اور ان سے ان دلائل کو وہ لوگ مسئلہ کاشت پر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ آنجناب کو معلوم ہوگا کہ صوفی ولی محمد فتوحی والے اس مسئلہ کاشت کے قائل تھے اور انہوں نے ایک کتاب مسمی بہ زہد الانسان طبع کرائی لیکن میری نظر سے وہ کتاب نہیں گذری۔ بہرحال مذکورہ دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے جواب دیں۔

جواب آہ صوفی ولی محمد مرحوم کے ذکر سے آپ نے موت کا نقشہ سامنے کردیا دوستوں کی جدائی موت کی آمد کا درس عبرت ہے مرحوم ہمارے پہلے سفر حج ۱۳۵۴ ہجری میں بمعہ اہل وعیال ہمارے ساتھ تھے۔ یہاں سے ہجرت کر گئے۔ ۱۰ محرم ۱۳۵۵ ہجری کو لعارضہ دست مکہ مکرمہ میں زیارت مدینہ منورہ سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون ہم ان کے کفن دفن میں شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ ہم مدینہ منورہ گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر جدہ میں ان کے انتقال کی اطلاع ملی۔ خدا غریق رحمت کرے۔ بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

مرحوم کی کتاب زہد الانسان میں نے دیکھی ہے اس میں اس قسم کے دلائل ہیں جو آپ نے سوال میں ذکر کئے ہیں مرحوم کو اس مسئلہ میں ذہل غلطی لگی ہوئی تھی۔ ان کو اتنا علم نہ تھا۔ کہ ہر ایک دلیل کو اپنے محل پر رکھیں ایسے موقعہ پر انسان کو چاہیئے کہ اپنے سے اعلم کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ دلائل بظاہر متعارض ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (پ ۸ ع ۱۱)

کہدے کس نے حرام کی ہے زینت اللہ کی جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی اور پاکیزہ چیزوں رزق سے؟

مشکوٰۃ میں ہے

(۱) ابو الاحوص رضؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا اٰتَاکَ اللّٰہُ مَالاً فَلْیُرَ اَثَرُ نِعْمَۃِ اللّٰہِ عَلَیْکَ وَکَرَامَتِہٖ (کتاب اللباس فصل ۲)

جب خدا تجھ کو مال دے تو خدا کی نعمت اور کرامت کا تجھ پر اثر ہونا چاہیئے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ رَجَاءٍ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَیْنٍ وَعَلَیْہِ مِطْرَفٌ مِنْ خَزٍّ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ نِعْمَۃً فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یَّرٰی اَثَرَ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ (کتاب اللباس فصل ۲)

ابی رجاء کہتے ہیں عمران بن حصین رضؓ باہر نکلے اور ان پر سوف سے مخلوط ریشمی چادر تھی۔ کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ فرماتے تھے کہ خدا جب بندے پر انعام کرے تو دوست رکھتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اس پر دیکھے۔

(۳) آپؐ سے سوال ہوا کہ انسان دوست رکھتا ہے کہ اس کا کپڑا جوتا اچھا ہو۔ کیا یہ تکبر ہے؟ فرمایا۔ ان اللہ جمیل یحب الجمال الکبر بطر الحق وغمط الناس (مشکوٰۃ باب الغضب والکبر فصل اول) یعنی خدا خوبصورت ہے خوبصورتی کو پسند کرتا ہے تکبر حق سے ضد اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَّاَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ الحدیث (مشکوٰۃ باب التوکل والصبر فصل اول)

ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مومن قوی مومن کمزور سے بہتر اور خدا کو زیادہ محبوب ہے۔ (قوت سے مراد عام ہے خواہ مالی قوت ہو یا بدنی جو عموماً قوی غذا سے حاصل ہوتی ہے)

یہ اور اس قسم کے دیگر دلائل چاہتے ہیں کہ خدا نے نعمتیں بندوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ اور جس کو خدا کوئی نعمت دے خدا دوست رکھتا ہے کہ وہ اس کو استعمال کرے اب مقابل دلائل سنیئے۔

آپ نے فقراء مہاجرین والی جو حدیث پیش کی ہے وہ بے محل ہے کیوں کہ خدا کی طرف سے جو انسان پر تنگی آتی ہے اس کا یہاں ذکر نہیں بلکہ ذکر اس شے کا ہے کہ جب انسان کو کوئی نعمت ملتی ہو تو اس حالت میں اس کے لئے بہتر کیا ہوگا۔ نعمت کا استعمال بہتر ہے یا ترک؟ جیسے حضرت عمرؓ نے شہد کا شربت نہیں پیا۔ ان تینوں کے لحاظ سے اس کی مناسبت ہو سکتی ہے کہ ان کا درجہ بقیہ

سے اسی قدر کم ہوا کہ انہوں نے دنیا میں آرام طلبی اور آسودگی حاصل کی اسی طرح فتح کشی والی حدیث صرف اس حیثیت سے مناسبت رکھتی ہے کہ جنگ میں غنیمت اور سلامتی کمی اجر کا باعث ہوئی مگر شکست کھانے والوں کو جو کچھ تنگی آئی ہے وہ ان کے بس کی شے نہیں۔ الی معاذہ والی روایت من کل الوجوہ موافق ہے۔

اس کے علاوہ سنیئے۔

(۱) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اِیَاسِ بْنِ ثَعْلَبَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَنَّ الْبَذَاذَۃَ من الایمان ان البذاذۃ من الایمان (مشکوٰۃ کتاب اللباس فصل ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کیا تم سنتے نہیں؟ بےشک سادگی ایمان سے ہے۔ بےشک سادگی ایمان سے ہے۔

(۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم من ترکَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ وَھُوَ یَقْدِرُ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ تَوَاضُعًا کَسَاہُ اللّٰہُ حلۃ الکرامۃ ومن تَزَوَّجَ لِلّٰہِ تَوَّجَہُ اللّٰہُ تَاجَ الْمُلْکِ (رواہ المذکور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جو خوبصورتی کا کپڑا چھوڑ دے حالانکہ وہ اس کے پہننے پر قادر ہے اور ایک روایت میں ہے تواضع کے طور پر چھوڑ دے تو خدا اس کو عزت کا جوڑا پہنائے گا۔ اور جو خدا کے لئے (اپنی سے نیچی عورت سے) نکاح کرے اللہ اسکو شاہی تاج پہنائے گا۔

اس قسم کی روائتیں بہت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سادگی اور ترک زینت اور اس سے پرہیز یہ خدا کو زیادہ محبوب ہے اور زیادہ باعثِ اجر ہے۔

ان میں موافقت یوں ہے کہ دنیا کی نعمتوں کی دو حیثیتیں ہیں ایک فی نفسہ ایک زادِ راہ آخرت ہونا پہلی حیثیت سے استعمال کرنا درجہ کو کم کر دیتا ہے اور دوسری حیثیت سے استعمال کرنا درجہ کو بڑھا دیتا ہے جس کے لئے بہترین نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور آپؐ کے ارشاداتِ مبارکہ ہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان طبعًا نعمت کی طرف مائل، آرام طلب اور آسودگی پسند ہے اگر نعمت کو اسی حیثیت سے استعمال کرے تو یہ صورت نقصان دہ ہے اور اس سے درجہ کم ہو جاتا ہے اور اگر یہ راحت و آرام ضمناً ہو اور اصل مقصد دوسری شئے ہو جو محض دین ہو تو پھر یہ نعمت بھی محض دین ہو جاتی ہے۔ مثلاً سونا اس نیت سے ہے کہ اس آرام سے بدن عبادت پر یا دوسری خدمات پر قوی

ہو جائے تو یہ سونا در حقیقت سونا نہیں بلکہ عین عبادت ہے اسی طرح نکاح ۔ بیوی سے میل ملاپ بڑا آرام ہے بلکہ دنیا کی نعمتوں سے بہت بڑی نعمت ہے مگر جب مقصد اس سے یہ ہو کہ نظر نیچی رہے ۔ حرام سے بچاؤ کا ذریعہ ہو ۔ خدا اولاد نیک دے جو اس کی یادگار ہو وغیرہ ۔ وغیرہ ۔ تو پھر یہ دنیا کی نعمت نہیں رہتی ۔ بلکہ بہت بڑی عبادت بن جاتی ہے ۔

مشکوٰۃ میں ہے ۔

عَنْ عَائِشَةَ رضؓ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يُعْجِبُهُ مِنَ الدُّنْيَا ثَلٰثَةٌ اَلطَّعَامُ وَالنِّسَاءُ وَالطِّيْبُ فَاَصَابَ اثْنَيْنِ وَلَمْ يُصِبْ وَاحِدًا اَصَابَ النِّسَاءَ وَالطِّيْبَ وَلَمْ يُصِبِ الطَّعَامَ (مشکوٰۃ باب فضل الفقراء فصل ۳)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے تین چیزیں محبوب تھیں ۔ کھانا ۔ عورتیں اور خوشبو دو کو پہنچے ایک کو نہیں پہنچے عورتیں اور خوشبو مل گئی کھانا نہیں ملا ۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہننے اور حکومت وغیرہ سے آپ کو ان سے محبت نہ ہو اگرچہ یہ مرحلہ ہماری طبائع کے لحاظ سے مشکل ہے مگر کوشش جاری رہنی چاہیئے

کیونکہ کوشش کرنے والا ناکام رہے تو بھی خدا کے نزدیک منزل مقصود کو پہنچنے والوں میں شمار ہو گا ۔ کوشش کی صورت یہ ہے کہ شریعت میں لباس کے مراتب دیکھے جہاں زینت کا حکم ہے وہاں زینت کرے جہاں سادگی کا حکم ہے وہاں سادگی برتے مثلاً عورت کو حکم ہے کہ خاوند کے لئے زینت کرے اگر خاوند نہ ہو یا گھر پر نہ ہو تو پھر اس کو سادہ رہنا چاہیئے ۔ مرد کو حکم ہے کہ جمعہ کے دن زینت کرے یا اس نیت سے اچھا کپڑا پہنے کہ دنیا دار حقیر نہ سمجھیں جیسے سفیان ثوری رح کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ عمدہ قمیص زیب تن کی ۔ شاگرد نے وجہ پوچھی تو اس کا ہاتھ پکڑ کر قمیص کے اندر کر دیا اس نے دیکھا کہ نیچے ٹاٹ ہے حیران ہو کر یہ کیا ؟ فرمایا یہ ٹاٹ خدا کے لئے ہے اور یہ قمیص دنیا داروں کے لئے ہے ۔ اسی لئے فرمایا کرتے تھے ۔

كَانَ الْمَالُ فِيْمَا مَضٰى يُكْرَهُ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَهُوَ تُرْسُ الْمُؤْمِنِ وَقَالَ لَوْلَا هٰذِهِ الدَّنَانِيْرُ لَتَمَنْدَلَ بِنَا هٰؤُلَاءِ الْمُلُوْكُ وَقَالَ مَنْ كَانَ فِيْ يَدِهٖ مِنْ هٰذِهٖ شَيْءٌ فَلْيُصْلِحْهُ فَاِنَّهٗ زَمَانٌ اِنِ احْتَاجَ كَانَ اَوَّلُ مَنْ يَبْذُلُ دِيْنَهٗ وَقَالَ الْحَلَالُ لَا يَحْتَمِلُ السَّرَفَ (مشکوٰۃ باب استحباب المال والعمر

للطاعۃ فصل ۳)

یعنی مال گزشتہ زمانہ میں مکروہ سے تھی لیکن آج وہ مومن کی ڈھال ہے اگر یہ اشرفیاں نہ ہوتیں تو ہمیں یہ بادشاہ رومال بنا لیتے۔ جس کے پاس مال سے کچھ ہو اس کی حفاظت کرے کیوں کہ یہ ایسا نازک زمانہ ہے کہ اگر انسان محتاج ہو جائے تو پہلے شے جو اس کے ہاتھ سے جائے گی دین ہے اور حلال مال اسراف کو برداشت نہیں کرتا۔"

اور امام مالکؒ حدیث کے احترام کے لئے فاخرہ لباس پہن کر خوشبو لگا کر اور نیچے قالین بچھا کر درس دیا کرتے تھے جن سے مقصود ان کا دنیاداروں پر رعب تھا کیونکہ سفیان ثوری اور امام مالکؒ کا زمانہ قریباً ایک ہی ہے ربانی علماء کی اس وقت چنداں قدر و منزلت نہ تھی۔ درس میں ہر قسم کے آدمی شامل ہوتے اور آتے جاتے اس لئے امام مالکؒ نے ان کی نظر میں بارعب رہنا پسند کیا تاکہ کوئی دنیادار بہ نظر حقارت نہ دیکھے۔ اسی طرح ایلچیوں اور قاصدوں کے لئے اچھا لباس احادیث میں آیا ہے غرض لباس کو حظ نفس سمجھ کر نہ پہنے بلکہ دینی غرض سے پہنے تو یہ نیکی میں داخل ہے۔ یہ تو لباس کا فیصلہ ہوا۔ اب حکومت کو لیجئے۔

حکومت کا معاملہ چونکہ لباس سے بہت نازک ہے اور حظ نفسانی کی طرف زیادہ جاذب ہے اس لئے اس میں زیادہ محتاط رہنے کا حکم ہے اوّل تو اس سے بھاگے اور کوشش کرے کہ یہ جوا اس کے کندھے پر نہ رکھا جائے اگر قوم نے اس کو مجبور کر کے اس کے ساتھ زیر بار کر دیا تو پھر عدل اور انصاف کی کوشش کرے جس سے قوموں کا عروج اور انحطاط وابستہ ہے عادل بادشاہ کا بڑا درجہ ہے، حدیث میں ہے مستجاب الدعوۃ ہے اس کی دعا رد نہیں ہوتی۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ کتاب الدعوات فصل ۳

نیز حدیث میں ہے۔

(اِنَّ اَفْضَلَ عِبَادِ اللّٰہِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِمَامٌ عَادِلٌ رَفِیقٌ الحدیث (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل ۳)

یعنی قیامت کے دن سب سے افضل خدا کے نزدیک مرتبہ میں بادشاہ عادل نرم دل ہے۔"

دوسری حدیث میں ہے۔

اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰہِ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ یَمِیْنِ الرَّحْمٰنِ الحدیث (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل اوّل)

یعنی انصاف کرنے والے خدا کے نزدیک نور کے منبروں پر خدا کی دائیں جانب ہوں گے۔

غرض حکومت جیسی خطرناک ہے عدل و انصاف کی صورت میں باعث رفع درجات بھی ہے اب رہا طعام تو یہ شے ہے کہ انسان اس کا سب سے زیادہ محتاج ہے اور اشیاء کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور چونکہ یہ جزو بدن بنتا ہے اس لئے اس کا روحانیت پر خاص اثر پڑتا ہے پس اس میں خصوصیت سے محتاط رہنا چاہیئے۔ مگر محتاط رہنے کا یہ معنی نہیں کہ انسان کبھی دودھ نہ پیئے کبھی گوشت نہ کھائے وغیرہ وغیرہ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ارشادات سے سبق لے چنانچہ آپ نے موقعہ بموقعہ یہ سب اشیاء استعمال کی ہیں۔ اگر حضرت عمرؓ نے ایک وقت شہد کا شربت نہیں پیا تو یہ صرف لوگوں کو سبق دینے کے لئے تھا کہ زیادہ لذتوں میں نہ پڑیں ورنہ وہ ان اشیاء کے تارک نہ تھے دیکھئے دوسرے وقت انہوں نے دودھ پیا ہے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب من لا تحل لہ الصدقۃ فصل ۳۔ حالانکہ دودھ وہ نعمت ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب انسان کوئی شے کھائے تو کہے اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِّنْہُ۔ یعنی اے اللہ! ہمارے لئے اس میں برکت کر اور اس سے بہتر کھلا اور جب دودھ پلایا جائے تو کہے اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ۔ یعنی اے اللہ ہمارے لئے اس میں برکت کر اور یہی زیادہ دے۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب الاشربۃ فصل ۲)

اور مشکوٰۃ کے اسی باب میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کا دودھ، شہد اور دیگر اشیاء کا موقع بموقع استعمال کرنا مذکور ہے اگر مطلقاً ترک میں خیر ہوتی تو وہ اس کے زیادہ اہل تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان اشیاء کو محض بطور تنعّم اور تلذّذ کے استعمال کرنا نقصان دہ ہے چنانچہ عام طور پر دنیا کی حالت ہے ورنہ اگر یہ نیت کرے کہ ان سے وجود میں جو طاقت پیدا ہوگی اس کو عبادتِ الٰہی۔ خدمتِ دین خدمت مخلوق خدا کا ذریعہ بناؤں گا۔ اور جب یہ اشیاء نہ ملیں تو ان کی حرص طمع نہ کرے۔ اور بے پرواہ ہو کر رہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خاص صحابہؓ کی عام حالت تھی۔ تو اس حالت میں ان اشیاء کا استعمال ترک سے بہتر ہے اور باعث رفع درجات ہے کیونکہ

اس وقت جو قوت پیدا ہوگی جیسے اس نیت سے سونا کہ بیداری میں دنکی پر قوت حاصل ہو یہ نیکی میں داخل ہے ٹھیک اسی طرح ان اشیاء کا استعمال ہے مگر جیسے زیادہ نیند اور آرام طلبی اچھی نہیں اسی طرح ان اشیاء کی کثرت مضر ہے بلکہ درمیانی حالت رکھے نہ بالکل تارک نہ بالکل متنعّم اور کبھی کبھی ایثار و قربانی کا ثبوت دے۔ یعنی دوسرا جو کا ہو تو اس کو دیدے تاکہ نفس ہر طرح سے غلام بنا رہے اور جس طرف اس کو لگانا چاہے آسانی سے لگا سکے۔ اور اگر ایسا ہو سکے کہ کھانے کے وقت کسی غریب کو تلاش کرے۔ اپنے ساتھ بٹھائے تو یہ بہت بڑا عمل ہے عبداللہ بن عمرؓ اکثر ایسا ہی کیا کرتے۔

غرض دنیا کی نعمت کو بحیثیت نعمت استعمال کرے تو یہ اچھا نہیں اور اگر بہ نیتِ عبادت استعمال کرے تو پھر یہ عبادت ہے۔ دیکھئے، جنگ بدر میں فتح ہوئی اور جنگِ احد میں شکست ہوئی اب سوال والی حدیث کے مطابق احد میں شکست ہوئی۔ اب سوال والی حدیث کے مطابق شریک ہونے والوں کا اجر بدریوں سے دوگنا ہونا چاہیئے۔ حالانکہ بدریوں کا اجر زیادہ ہے۔ اس کی کیا وجہ یہی کہ بدریین کی نیت احد والوں پر فوقیت رکھتی تھی۔ جو کچھ مال غنیمت بدریوں کو ملا وہ ان کے لئے مالِ غنیمت نہیں تھا۔ اعلاء کلمۃ اللہ کا سرمایہ تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جو قوت حظِ نفسانی کے طور پر پیدا نہ کی جائے۔ بلکہ محض دینی فائدہ مدنظر ہو وہ تنعّم کی قسم سے نہیں اور جب لوگ مطلقاً اچھی شئے استعمال نہ کرنے کو عبادت سمجھے ہوئے ہیں اور ہمیشہ کے تارک ہیں وہ سخت غلطی میں ہیں ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور خاص صحابہؓ کے حالات سے سبق لینا چاہیئے آئی ہوئی نعمت کو دھکیلنا اور خواہ مخواہ کمزوری اختیار کرنا یہ مومن کے لئے کمال نہیں مومن قوی مومن کمزور سے بہتر ہے کیونکہ جو کام قوی کر سکتا ہے کمزور نہیں کر سکتا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اغنیاء کو فقراء مہاجرین پر درجہ میں ترجیح دیتے ہوئے فرمایا۔

ذالکَ فضلُ اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔ یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے؎ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ فصل اوّل۔

خلاصہ یہ کہ جتنے قویٰ خدا تعالیٰ نے انسان کو بخشے ہیں سو جتنے قویٰ اس کے زیادہ ہوں گے اور ان سب سے وہ یہی خدمت لے گا۔ تو وہ درجہ میں بڑھ جائے گا اور جو کسی قوت کو عیاشی میں ضائع کر دے گا۔ وہ اس کے لئے وبال ہوگی۔ اور قیامت کے دن اس سے سوال ہوگا۔ خواہ بدنی قوت ہو یا

مال کیونکہ فی نفسہٖ دنیا خدا کو پسند نہیں بلکہ بحیثیت مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ (آخرت کی کھیتی) ہونے کے پسند ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَ عَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ

مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ۲)

یعنی خبردار! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے لعنتی ہے مگر خدا کا ذکر اور جو اس کے قریب ہے اور عالم یا طالب علم"

اس حدیث میں دنیا اور مافیہا کو لعنتی کہہ کر صرف چار کی استثناء کی ہے اللہ کا ذکر تو ظاہر ہے چونکہ علم اور طالب علم دونوں وصف آپس میں متقابل ہیں اس لئے عالم اور متعلم کو کلمہ اَوْ کے ساتھ ذکر کیا ورنہ یہ مطلب نہیں کہ صرف ایک ہی مراد ہے بلکہ دونوں مراد ہیں اسی لئے بعض نے لکھا ہے کہ اَوْ واؤ کے معنی میں ہے رہی چوتھی شے جو ذکر اللہ کے قریب ہے سو وہ وہی ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے۔ یعنی جس میں نیک نیت کا دخل ہو۔ اور اس سے دینی خدمت مقصود ہو۔ پس یہ چار چیزیں لعنت سے بچی ہیں اس کے علاوہ سب وبالِ جان ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ایسی حالت سے محفوظ رکھے جس کا انجام بخیر ہو آمین۔

ترجیح صحاح ستہ

سوال صحت وضعف حدیث میں جب محدثین کا اختلاف ہو تو ترجیح اصحاب صحاح ستہ محدثین کے قول کو دینا باصول محدثین متاخرین کے قول پر صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس پر محدثین کا کلیہ قاعدہ کیا ہے کیونکہ ہر ایک مذہب والا اپنی مسند روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کسی نہ کسی محدث کی تصحیح وتوثیق کو ذکر کرتا ہے جس سے طبیعت میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔

جواب ۔ شرح نخبہ میں ہے۔

اَلْجَرْحُ مُقَدَّمٌ عَلَى التَّعْدِيْلِ اِنْ صَدَرَ مُبَيَّنًا مِنْ عَارِفٍ بِاَسْبَابِهٖ لِاَنَّ خَلَا الْجَارِحَ فَلَنِ الْجَرْحُ مُجْمَلًا عَلَى الْمُخْتَارِ (شرح نخبہ بحث جرح تعدیل)

یعنی جرح تعدیل پر مقدم ہے بشرطیکہ اس کی وجہ بیان کی جائے اور جرح کرنے والا اس فن میں ماہر

ماہر ہو۔ اگر راوی مجروح کی کسی نے تعدیل نہ کی ہو تو پھر مختار مذہب یہ ہے کہ جرح مبہم بھی قبول کی جائیگی۔

اس عبارت میں آپ کے سوال کا جواب ہے کہ اختلاف کے موقع پر ہر ماہر فن کا قول اس بارہ معتبر ہے مگر مبہم نہیں بلکہ اس کے ساتھ ضعف کی وجہ بھی بیان کرے۔ ہاں اگر اختلاف نہ ہو تو پھر وجہ بیان کرے۔ ہاں اگر اختلاف نہ ہو تو پھر وجہ بیان کرے یا نہ کرے۔ دونوں صورتوں میں ماہر فن کا قول معتبر ہوگا۔ گویا اختلاف نہ ہونے کے وقت صرف ایک شرط ہے کہ اس فن میں پوری مہارت رکھتا ہو۔ اور اختلاف کے وقت دو شرطیں ہیں۔ پوری مہارت اور وجہ ضعف کا بیان۔ جب پوری شرط ہوئی تو تو جتنا کوئی زیادہ ماہر ہوگا۔ اتنا ہی اس کا قول زیادہ قابل قبول ہوگا۔ خواہ وہ اصحاب صحاح ستہ سے ہو یا غیر ہو جیسے امام احمدؒ علی بن مدینیؒ یحییٰ بن سعید قطان اور ان کے مثل یہ اصحاب ستہ نہیں مگر اصحاب ستہ خود ان کے قول پر اعتماد رکھتے ہیں۔ جو لوگ اصحاب ستہ کو ان بزرگوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ جادہ مستقیم پر نہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ اصحاب ستہ ان کے خوشہ چین ہیں۔ ایک امام بخاریؒ ان کی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ باقی سب ان سے نیچے ہیں۔

ایک بات یہاں یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ فن حدیث کی بناء پر چونکہ رائے قیاس پر نہیں بلکہ واقعات پر ہے اس لئے اس فن کے ماہروں میں کوئی زیادہ اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ امام ذہبیؒ کہتے ہیں۔

لَمْ يَجْتَمِعْ اِثْنَانِ مِنْ عُلَمَاءِ هٰذَا الشَّانِ عَلٰى تَوْثِيْقِ ضَعِيْفٍ وَلَا عَلٰى تَضْعِيْفِ ثِقَةٍ

یعنی دو محدث بھی کسی ضعیف راوی کی توثیق پر اور ثقہ راوی کی تضعیف پر جمع نہیں ہوئے۔

(شرح نخبہ بحث جرح تعدیل)

جب دو محدث بھی ضعیف کے ثقہ اور ثقہ کے ضعیف کہنے پر متفق نہیں ہوئے۔ تو اختلاف کا دائرہ بہت محدود ہوگیا۔ ایسی حالت میں جس کو خدا نے تھوڑی بہت علمی قابلیت عنایت کی ہو۔ اور اس کی میں اخلاص اور طبیعت میں انصاف ہو تو اس کے لئے یہ معمولی اختلاف کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ اول تو وہ خود ہی فریقین کے کلام سے راجح مرجوح معلوم کرے گا۔ ورنہ اپنے سے اعلم کی طرف رجوع کرے گا۔ اصحاب ستہ کو اس بارہ میں معیار مقرر کرنا اور ہر اختلاف کے موقعہ پر انہی کے قول کو ترجیح دینا یہ اسی تقلیدی جمود سے مشابہت ہے جو مقلدین آئمہ میں پایا جاتا ہے مثلاً حنفیہ نے اپنے مذہب کی بناء زیادہ تر تین اصحاب (امام ابوحنیفہ اور صاحبینؒ) پر رکھی ہے اب جو صرف چند کو

مانے اور ان کے برابر یا ان سے بڑھ کر کی پرواہ نہ کرے وہ ابنی سے مشابہت کنندہ ہوا یا نہ ؟ یہی وجہ ہے کہ اصولِ حدیث میں اصحاب ستہ کو دیگر اماماں حدیث پر کوئی ترجیح نہیں دی بلکہ اصولِ حدیث میں اس کے خلاف موجود ہے۔ دیکھئے اصحاب ستہ میں امام بخاری رح سب سے اول نمبر پر ہیں ان کا دوسرے اماموں کے ساتھ اصح الاسانید میں اختلاف ہے یعنی اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے زیادہ صحیح اسناد کونسی ہے امام اسحاق بن راھویہ رح کہتے ہیں سب سے زیادہ صحیح زُهْرِيٌّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ ہے اور امام احمد بن حنبل رح بھی اسی طرح کہتے ہیں اور امام عمرو بن علی فلاس رح کہتے ہیں مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَلِيٍّ رض ہے اور امام بخاری رح کے استاذ امام علی بن مدینی رح بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ اور بعض دیگر محدثین بھی یہی کہتے ہیں۔ پھر بعض نے کہا ہے کہ یہ اصح الاسانید اس وقت بنے گی جبکہ محمد بن سیرین رح سے ایوب سختیانی رح روایت کریں اور بعض نے کہا ہے ابن عون رح روایت کریں اور امام یحییٰ بن معین رح کہتے ہیں کہ اصح الاسانید أَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ ہے اور امام ابو بکر رح بن ابی شیبہ رح کہتے ہیں کہ اصح الاسانید زُهْرِيٌّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ رض ہے اور امام بخاری رح کہتے ہیں اصح الاسانید مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض ہے اور امام ابو منصور عبدالقادر بن طاہر تمیمی اس پر بنا رکھتے ہوئے کہتے ہیں سب سے بڑھ کر اسناد شَافِعِيٌّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض ہے مقدمہ ابن الصلاح کے صـ میں اس اختلاف کو اضطراب کہا ہے۔ اور اضطراب وہ اختلاف ہے جس میں کسی جانب کو ترجیح نہیں ہوتی۔ اور حافظ ابن حجر رح شرحِ نخبہ میں اسکی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالْمُعْتَمَدُ عَدَمُ الْإِطْلَاقِ لِتَرْجَمَةٍ مُعَيَّنَةٍ مِنْهَا (شرحِ نخبہ بحث خبر صحیح)

یعنی قابلِ اعتماد بات یہ ہے کہ بوجہ اختلاف ائمہ حدیث، ان اسانید سے کسی کو معین کر کے اصح الاسانید نہیں کہہ سکتے؛

خیال فرمائیں کہ امام بخاری رح کا اس بارے میں کوئی خاص لحاظ نہیں کیا گیا اگر اصحاب الستہ کے قول کو ترجیح ہوتی تو اول نمبر اس میں امام بخاری رح تھے جب ان کے قول کو ترجیح نہ ہوتی تو باقی کو بطریقِ اولیٰ نہ ہوئی۔ پس اصحاب ستہ کو اس بارے میں کوئی خصوصیت نہیں بلکہ جتنا کوئی اس فن میں زیادہ ماہر ہو گا۔ اتنا ہی اس کا قول زیادہ قابلِ اعتماد ہو گا۔ ہاں اصحاب ستہ کو ایک اور وجہ سے ترجیح ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ان کی چھ کتابیں دوسری کتب پر ترجیح رکھتی ہیں یعنی ان چھ کتب کی احادیث بلحاظ صحت دیگر کتب پر

مقدم ہیں. مثلاً جیسے بخاری کی احادیث مسلم کی احادیث پر اور مسلم کی ترمذی وغیرہ پر مقدم ہیں اسی طرح ترمذی وغیرہ کی صحیح احادیث دیگر کتب پر مقدم ہیں. اگر تعارض کے وقت موافقت نہ ہو سکے۔ تو ان کے مقابلہ میں دیگر کتب کی احادیث متروک العمل ہوں گی. جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتب کثرتِ تداول اور علماء امت میں عام قبولیت کی وجہ سے غلطی سے مامون و مصئون ہیں. نہ کسی کو ان میں دست اندازی کی گنجائش ہے. قریب قریب ایسی ہیں جیسے قرآن مجید حدِ تواتر کو پہنچ گیا ہے گویا ان احادیث کی محدثین کے ہاں خوب چھان بین ہو چکی ہے اس لئے ان کی صحیح احادیث دوسری کتب کی صحیح احادیث پر مقدم ہوں گی. ہاں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دوسری کتب کی کوئی حدیث دیگر قرائن کی وجہ سے صحت میں بڑھ جاتی ہے مثلاً کئی صحیح سندوں سے مروی ہو یا ایسی اسناد سے مروی ہو جس کو کسی بڑے محدث نے اصح الاسانید کہا ہے اور ان چھ کتابوں کی حدیث میں یہ بات نہ ہو. یا کسی اور وجہ سے ترجیح ہو تو ایسی حالت میں دوسری کتب کی حدیث مقدم ہو گی. چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں صحیح حدیث کے درجات بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ ایسے موقعہ پر مسلم کی احادیث بخاری کی احادیث پر اور بخاری مسلم کی احادیث پر دیگر کتب کی احادیث مقدم ہوں گی ٹھیک اسی طرح ترمذی ابوداؤد وغیرہ کو سمجھ لینا چاہیئے. غرض دیگر وجوہ سے ترجیح ہو جائے۔ تو دوسری کتب کی احادیث مقدم ہو سکتی ہیں ورنہ اصل یہی ہے کہ ان چھ کتب کی صحیح احادیث کو ترجیح ہو لیکن ان چھ کتب کی صحیح احادیث کو ترجیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا. کہ اب ان اصحاب ستہ کی دوسری کتب کو یا ان کی ہر ایک بات کو ترجیح ہو. کیونکہ چھ کتب کی ترجیح کی وجہ کثرت تداول اور علماء امت میں عام قبولیت اور غلطی سے مامون و مصئون ہونا ہے جو ان کی دوسری کتب میں یہ بات نہیں. نہ ان کی ذات کو بلحاظ تبحر علمی کے دوسرے تمام آئمہ حدیث پر ترجیح ہے بلکہ کئی اور ان سے بڑھ کر ہیں یا ان کے برابر ہیں چنانچہ اوپر بیان ہو چکا ہے.

ایک بات یہاں پر یہ بھی یاد رکھنی چاہیئے. کہ فن حدیث چونکہ واقعات پر مبنی ہے اور محض نقل کی قسم سے ہے اس لئے زیادہ ماہر اس میں وہی ہو سکتا ہے جو قریب کے زمانہ میں ہو اور رائے قیاس کو اس میں دخل نہ دے اگر ان دونوں شرطوں سے کوئی فوت ہو جائے یا ان میں کمی واقع ہو جائے تو اس کی مہارت بھی کالعدم ہو گی یا کم ہو گی. مثلاً ایک راوی کے حالات جیسے اس کے ہمعصر علماء کو یا

اس کے قرب والوں کو معلوم ہو سکتے ہیں ہمیں معلوم نہیں ہو سکتے اس لئے ان کے مقابلہ میں ہماری عبارت کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا۔ اسی طرح ایک شخص واقعات اور حالات فراہم کرنے کے سلئے اپنی زندگی کچھ یا ساری وقف کرتا ہے۔ اور ایک شخص گھر بیٹھا ایک واقعہ کو دوسرے واقعہ پر اور ایک حالت کو دوسری حالت پر قیاس کر کے نتائج اخذ کرتا ہے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے پہلے کے مقابلے مقابلہ میں دوسرے کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ مثلاً محدثین کا اصول ہے کہ مرسل حدیث حجت نہیں خاص کر متصل کے مقابلہ میں کیوں کہ مرسل حدیث وہ ہے کہ تابعی کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا اور درمیان صحابی کا نام نہ لے۔ اور واقعات سے ثابت ہو چکا ہے کہ بہت دفعہ تابعی صحابی سے روایت نہیں کرتا بلکہ دوسرے تابعی سے کرتا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں مرسل کی بحث میں لکھا ہے کہ تفتیش حالات سے معلوم ہوا ہے کہ ایک تابعی دوسرے وہ تیسرے سے وہ چوتھے سے اس طرح سات تک روایت پائی گئی ہے اور تابعی سارے کے سارے ثقہ نہیں بلکہ ان میں بہت ضعیف بھی ہیں اس لئے مرسل حجت نہیں ہاں اگر تابعی کے حالات سے معلوم ہو جائے کہ وہ ثقہ ہی سے روایت کرتا ہے جیسے سعید بن مسیبؒ تو ایسے تابعی کی روایت کو امام شافعیؒ وغیرہ معتبر کہتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو معتبر نہیں جیسے زہریؒ وغیرہ کی روایت۔ غرض یہ اصول تو جیسا کچھ ہے واقعات اور حالات پر مبنی ہیں اس کے مقابلہ میں حنفیہ کا اصول ہے کہ تابعی تو کجا تبع تابعی اگر قال رسول اللہ وغیرہ کہہ دے (جس کو محدثین کی اصطلاح میں منقطع کہتے ہیں) تو وہ بھی حجت ہے حجت ہی نہیں بلکہ متصل (جس میں تابعی صحابی سے روایت کرے۔ اور صحابی قال رسول اللہ وغیرہ کہے) پر بھی مقدم ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے گا تو ساری ذمہ داری تابعی پر عائد ہو گی۔ اس لئے جب تک اس کو پوری طرح تسلی نہیں ہوگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لے سکتا ورنہ خطرہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مفتری ٹھیرے۔ برعکس اس کے جب صحابی کا نام لے گا۔ کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کیا ہے تو اس صورت میں تابعی نے صحابی پر ساری ذمہ داری ڈال دی۔ اور ذمہ داری دوسرے پر ہوتی ہے تو انسان کو اتنا فکر نہیں ہوتا۔ بلکہ بے پرواہی سے نقل کر دیتا ہے اس لئے مرسل تو کجا منقطع بھی صرف حجت ہی نہیں بلکہ متصل پر مقدم ہے۔ (ملاحظہ ہو نور الانوار بیان اقسام السنہ صفحہ ۱۸۹)

حنفیہ نے جو کچھ دلیل دی ہے بظاہر تو بڑی آراستہ وپیراستہ ہے مگر جب واقعات اس کے خلاف پائے گئے۔ اور بہت تابعین کو دیکھا گیا۔ کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہیں اور درمیان واسطے کمزور ہوتے ہیں جیسے زہری تابعی رح وغیرہ کے حالات سے معلوم ہوا تو پھر حنفیہ کی یہ قیاسی دلیل یہاں کیا کرسکتی ہے اور حنفیہ کا یہ ایک اصول نہیں بلکہ اکثر اسی طرح رائے قیاس کے تابع ہوتے ہیں جیسے یہ اصول کہ غیر فقیہ صحابی رمثلاً ان کے نزدیک ابوہریرہ رض اور انس رض کی حدیث اگر قیاس کے خلاف ہو تو قیاس کو ترجیح ہوگی اور ایک حدیث کو دوسری حدیث پر کثرت راویوں سے ترجیح نہیں ہوگی اسی طرح کتاب اللہ کے عام حکم کی یا حدیث مشہور کی تخصیص خبر واحد سے نہیں ہوسکتی۔ خواہ بخاری مسلم کی ہو وغیرہ وغیرہ۔ غرض اس طرح رائے قیاس سے اصول وضع کرکے احادیث کو رد کرتے ہیں اور امام کے مذہب کی پاسداری کرتے ہیں۔ اور ان کا نام اصول اجتہاد رکھتے ہیں ایسے اصولوں کو مہارت حدیث سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ فن حدیث سے کمزوری کی علامت ہے خاص کر جبکہ ایسے اصول وضع کرنے والوں کا زمانہ بھی سلف سے بہت دور ہو۔ تو ایسی حالت میں ان کے اصولوں سے حدیث کی جان پہچان کس طرح ہوسکتی ہے۔ بلکہ صحت وضعف، حجیت، عدم حجیت کا معیار محدثین کے اصول ہیں۔ جو واقعات پر مبنی ہیں۔ خاص کر وہ محدثین جن کا زمانہ قریب کا ہے جیسے اصحاب ستہ اور امام احمد رح۔ امام مالک رح۔ امام شافعی رح۔ امام اسحاق بن راہویہ رح۔ امام علی بن مدینی رح۔ امام یحیٰی بن سعید رح وغیرہ۔ ان کے اصول اصل اصول ہیں اور انہی کے اصولوں سے احادیث کے صحت وضعف حجیت عدم حجیت کی پڑتال ہوگی اور ان کا احادیث کے صحت وضعف پر لگانا صحت وضعف کا حکم انہی ائمہ حدیث کا معتبر ہے اس وقت کا اعتبار نہیں۔ مقدمہ ابن الصلاح کی اصل عبارت یہ ہے۔

إِذَا وَجَدْنَا فِيْمَا نَرْوِيْ مِنْ أَجْزَاءِ الْحَدِيْثِ وَغَيْرِهَا حَدِيْثًا صَحِيْحَ الْإِسْنَادِ وَلَمْ نَجِدْهُ فِيْ أَحَدِ الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا مَنْصُوْصًا عَلٰى صِحَّتِهٖ فِيْ شَيْءٍ مِنْ مُصَنَّفَاتِ أَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ الْمُعْتَمَدَةِ الْمَشْهُوْرَةِ

سلہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رح ایسے اصولوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ متاخرین کے وضع کئے ہوئے ہیں امام ابوحنیفہ رح اور ان کے شاگردوں سے ان کے متعلق کوئی روایت نہیں ملاحظہ ہو۔ انصاف صفحہ ۱۴۔ اگر تفصیل درکار ہو تو ہماری کتاب تعریف اہلحدیث حصہ دوم کا صفحہ ۱۹۴ ملاحظہ ہو۔

فَإنَّا لَا نَتَجَاسَرُ عَلیٰ جَزْمِ الْحُکْمِ بِصِحَّتِهٖ فَقَدْ تَعَذَّرَ فِی ھٰذِہِ الْاَعْصَارِ الْاِسْتِقْلَالُ بِادراكِ الصحيح بمجرد اعتبار الاسانید لانه ما من اسناد من ذلك الا ونجد فی رجاله من اعتمد فی روایته على ما فی کتابه عریا عما یشترط فی الصحیح من الحفظ والضبط والاتقان فآل الامر اذاً فی معرفة الصحیح والحسن الی الاعتماد علی ما نص علیه ائمة الحدیث فی تصانیفهم المعتمدة المشهورة التی یؤمن فیها لشهرتها من التغییر والتحریف وصار معظم المقصود بما یتداول من الاسانید خارجا عن ذلك ابقاء سلسلة الاسناد التی خصت بها هذه الامة زادها الله شرفا آمین (مقدمة ابن الصلاح ص ۷)

یعنی جن کتب حدیث کے اجزاء کی ہم روایت کرتے ہیں ان میں اگر کسی حدیث کی اسناد ہم صحیح پائیں اور صحیحین سے کسی میں وہ حدیث نہ ہو اور نہ کتب متداولہ معتبرہ مشہورہ میں اس کی صحت کی تصریح ہو تو ہم صرف اسناد صحیح پاکر حدیث کی صحت کا حکم لگانے پر دلیری نہیں کر سکتے کیونکہ ان اسانید سے ہر ایک اسناد میں ایسے راوی ہیں جن کی روایت پر اس کتاب کے موافق اعتماد کر لیا گیا ہے جو شرائط صحت حفظ ضبط، اتقان سے خالی ہے پس اب مدار و مدار صحت اور حسن کا ائمہ حدیث کی تصریحات پر ہوا جو ان کی تصانیف معتبرہ مشہورہ میں پائی جاتی ہیں جو بوجہ شہرت تغیر اور تحریف سے محفوظ ہیں اور اسانید متداولہ کا مقصد صحت وضعف سے بے تعلق ہو کر صرف یہ ٹھیرا کہ سلسلہ اسناد جس کے ساتھ اس امت کو خاص کیا گیا ہے قائم رکھا جائے۔ خدا تعالیٰ اس امت کو شرف میں اور زیادہ کرے آمین!

ابن الصلاح ۶۴۳ھ میں فوت ہوئے ہیں جب اُس وقت یہ حالت تھی تو اب اس سے بھی معاملہ نازک ہے پس ائمہ حدیث مشہورین کی طرف ہمیں زیادہ احتیاج ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ جتنا قرب کا زمانہ ہوگا اور جتنا کوئی فن حدیث میں پیش پیش ہوگا اتنا ہی صحت وضعف اور جرح، تعدیل کے متعلق اس کا قول اول نمبر ہوگا۔ نہ رائے قیاس والوں کا اس میں دخل ہے نہ اصحاب ستہ کی اس میں تخصیص ہے۔ رائے قیاس والوں کو داخل کرنا افراط ہے اور اصحاب ستہ کی تخصیص تفریط ہے افراط تفریط سے بچنا چاہیئے اور متوسط راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اگر اصحاب ستہ کا کسی حدیث کے صحت وضعف میں اختلاف ہو جائے۔ تو وہاں فیصلہ کی یہی صورت ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم کے اصول پر عمل ہوگا یا زیادہ ماہر کے قول کو دیکھا جائے گا۔ تو پھر اصحاب ستہ کی تخصیص کی کیا ضرورت؟

سب جگہ اسی اصول پر فیصلہ ہونا یہی متوسط راستہ ہے جو افراط و تفریط سے خالی ہے پس اسی کی پابندی چاہیئے۔ واللہ الموفق

امام عراقی رح کہتے ہیں الفاظ جرح کے پانچ درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ مطعون کے حق میں کہا کَذَّابٌ یہ راوی بہت جھوٹا ہے یا اس طرح کہا جائے۔ وَضَّاعٌ یعنی اپنی طرف سے حدیثیں بنا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔

درجہ دوم یہ ہے کہ راوی کو کہا جاوے۔ مُتَّهَمٌ بِالْكَذِبِ اس راوی کو کذب کی تہمت لگی ہے یا یوں کہیں کہ مُتَّهَمٌ بِالْوَضْعِ اس راوی کو حدیثیں وضع کرنے کی تہمت لگی ہے یا یوں کہیں ھَالِكٌ یا یوں کہیں مَتْرُوكٌ یا یوں کہیں سَاقِطٌ۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہیں مَرْدُودُ الْحَدِيثِ یا یہ کہیں ضَعِيفٌ جِدًّا یا یہ کہیں وَاهٍ ان قسموں سے نہ تو احتجاج کیا جاتا ہے اور نہ ہی استشہاد و اعتبار (تائید) میں ان کی حدیث لی جاتی ہے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہا جائے۔ وَ فِيهِ ضُعْفٌ یا اس طرح کہا جائے۔ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ یا اسی طرح کہا جائے۔ مُضْطَرِبُ الْحَدِيثِ۔

پانچواں درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہا جائے فِيهِ ضُعْفٌ یا اس طرح کہا جائے۔ وَهُوَ سَيِّئُ الْحِفْظِ یا یوں کہا جائے۔ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ یا یوں کہا جائے ضُعِّفَ یا اس کو ایسا کہیں فِيهِ أَدْنَى مَقَالٍ ان پچھلے دو درجوں کی حدیث اخذ بھی کی جاتی ہے اور اعتبار و استشہاد کے واسطے اس میں نظر بھی کی جاتی ہے۔ انتہی۔

شیخ ابن الہمام رح تحریر فرماتے ہیں جو حدیث راوی کے فسق کے سبب ضعیف ہو وہ متعدد سندوں سے قابل احتجاج نہیں ہو سکتی (حاشیہ شرح نخبہ اردو ص ۷۹)

حدیث تلقین چونکہ اخیر کے دو درجوں سے نہیں اس لئے اس پر عمل بدعت ہے اگر یہ کچھ قابل عمل ہوتی۔ تو خیر قرون میں اس پر کیوں عمل نہیں ہوا کیا اس وقت حاجت نہ تھی۔ یا کوئی مردہ دفن نہ ہوتا تھا۔ یا ان کو اس پر عمل کا شوق نہ تھا جب یہ سب باتیں مفقود ہیں تو اس حدیث کی حقیقت واضح ہے کہ یہ بالکل ساقط ہے قابل عمل نہیں۔

یہ جو کچھ بیان ہوا ہے بہت مختصر ہے اور وہ بھی اصولاً اگر اختلاف طبائع کا لحاظ کیا جائے تو اس میں بہت تفصیل ہے ۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں ۔ اس کی مثال بالکل طبیب اور مریض کی ہے مرض کی جب تک تشخیص نہ ہو دوا بجائے فائدہ کے نقصان دیتی ہے ۔ اصل تو یہ ہے کہ کسی کامل کی صحبت اٹھائے ۔ اس کا وعظ کلام سنتا رہے اگر یہ نہیں تو ایسی تصانیف زیر مطالعہ رکھے جن میں روحانی امراض اور ان کے معالجات کی تفصیل ہو ۔ امام غزالی رح کی کتابیں احیاء العلوم اور منہاج العابدین وغیرہ میں کسی قدر تفصیل ہے اور بعض دیگر بزرگوں نے بھی بہت کچھ لکھا ہے مگر یہ دریا ناپیدا کنار ہے اس میں جتنی تفصیل ہو تھوڑی ہے اور اصل صورت یہ ہے کہ جو کچھ بیان ہو قرآن و حدیث کی روشنی میں ہو اور عمل سلف کی تصویر ہو ورنہ خطرہ سے خالی نہیں اگر توفیق الٰہی نے مساعدت کی تو میرا ارادہ اس بارہ میں ایک مستقل تصنیف کا ہے ۔ جو بالکل سُنت کے مطابق ہو ۔ دعا کریں کہ خدا مجھ سے یہ خدمت لے اور اس سے پہلے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں میں خود فائدہ اٹھاؤں ۔ وھو ولی التوفیق ونعم المعین ونعم الرفیق

عبداللہ امرتسری روپڑی

مشتبہ دم جھاڑا

سوال ۔ مشتبہ دم جھاڑا کا کیا حکم ہے بعض لوگ ایک مٹی کی ہنڈیا میں پاؤ بھر گڑ ، آدھ سیر پانی اور ایک روٹی ڈال کر منہ بند کر کے مسجد میں خود جا کر اس سے تھوڑا سا پانی پیئے ۔ روٹی سڑتی رہے پانی پینے کے بعد ایک اور روٹی اس میں رکھے اسی طرح تین جمعہ تک کرے پھر ہانڈی کو نہر یا دریا میں بہا دے اور ہانڈی پر لکھ دے کہ اس میں سے جو پانی پیئے گا وہ شفا پائے گا ۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے ۔

جواب ۔ ہنڈیا میں اس طرح گڑ اور پانی ڈال چھوڑنا اس سے نشہ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اس کا استعمال ٹھیک نہیں اور دریا میں ہنڈیا کا بہانا یہ بھی دل میں کھٹکتا ہے کیونکہ اس کی صورت ہنڈن کے ٹوٹنے کی سی ہے اس لئے اس سے احتراز چاہیئے ۔ یہاں پنجاب میں بھی یہ وبا پھیلی ہوئی ہے امرتسر میں ایک شخص اس طرح علاج کرتا ہے ۔ ہنڈیا میں گڑ اور پانی ڈال کر ہنڈیا کو ایک دو ہفتہ تک درخت سے لٹکایا جاتا ہے پھر وہ پانی مریضوں کو دیا جاتا ہے مگر اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے اور نشہ حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام اشیاء مثلاً شراب ، افیون ، بھنگ وغیرہ سے

علاج کرنے کی ممانعت فرمائی ہے چنانچہ حدیث میں ہے لَا تَدَاوَوْا بِالْحَرَامِ یعنی حرام کے ساتھ علاج مت کرو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مرثیہ خوانی اور نوحہ

سوال: (۱) عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باکیا من بکائہ علی حمزۃ ووضعہ فی قبلہ ثم وقف علی جنازۃ ...... یقول یا عم رسول اللہ واسد رسولہ یاحمزۃ یا فاعل الخیرات یا کاشف الکربات یاحمزۃ الحدیث

(۲) عن سعید بن مسیب لما توفی ابوبکر اقامت عائشۃ النوح (جامع کبیر از امام سیوطی)

(۳) اشعار منقول از حضرت فاطمہ رضؓ سے

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا
مَا ذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدَا
اَنْ لَا یَشَمَّ مَدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا

نمبر ۳۰۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضؓ پر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ نے حضرت کی وفات پر حسرت و آیات پر آہ و بکا مرثیہ و نوحہ وغیرہ کہا ہے اس سے مرثیہ خوانی اور نوحہ کی جواز کی صورت نکلتی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: حدیث نمبر ۲ جو سعید بن مسیب رحؒ سے مروی ہے منقطع ہے جو ضعیف کی قسم ہے کیونکہ سعید بن مسیب رحؒ حضرت ابوبکر رضؓ کی وفات کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ سنہ ۹۴ھ کے بعد سعید بن مسیب کی وفات ہوئی ہے اور عمر ان کی تقریباً اسی سال ہے نمبر ۳ میں جو اشعار ہیں ان سے نوحہ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ نوحہ کی ایک خاص صورت اور خاص لہجہ ہوتا ہے جو کسی پر مخفی نہیں ۔ ورنہ مطلق بولنے کو نوحہ نہیں کرتا جیسے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ پڑھا جاتا ہے اور دیگر دعاؤں میں بھی وقتاً فوقتاً پڑھی جاتی رہیں اور کسی وقت ویسے ہی مصیبت کا اظہار ہوتا ہے خواہ دوسرے کو سمجھانا مقصود ہو جیسے حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے بھائی کی قبر پر دو شعر پڑھے تھے جس سے مقصود دنیا کی بے ثباتی

کا اظہار تھا اگر سننے والے جرت پکڑیں چنانچہ یہ قصہ مشکوٰۃ میں ہے خواہ دوسرے سے کوئی امداد مطلوب ہوتا کہ مصیبت میں بگڑے ہوئے کاموں میں ہاتھ بٹائے غرض مطلق بات چیت کو کوئی نوحہ نہیں کہتا

عبداللہ امرتسری روپڑی

لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ

سوال ۔ کیا فتح مکہ کے بعد بھی ہجرت کا حکم باقی ہے؟

محی الدین لکھنوی

جواب ۔ ایک حدیث میں ہے لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں دوسری حدیث میں ہے ۔ لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ یعنی ہجرت کا سلسلہ ہمیشہ جاری ہے ان ہر دو احادیث میں موافقت کس طرح سے ہے ۔

(الف) دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت باقی ہے ۔

(ب) فرضیت ہجرت فتح مکہ کے بعد منسوخ ہے استحباب باقی ہے ۔

(ج) مکہ سے مدینہ کی طرف منسوخ ہے دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف باقی ہے ۔

(د) فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت جس میں اپنے وطن کی طرف بغیر اذن کے رجوع کی نیت نہ ہو ایسی ہجرت منسوخ ہے اور جو اس طرح نہ ہو وہ باقی ہے اور عبداللہ بن عمر رضہ کی روایت میں جو اسماعیل نے روایت کی ہے یہ لفظ ہیں کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت نہیں اور ویسے ہجرت باقی ہے جب تک جہاد ہوتا ہے یعنی جب تک دنیا میں دار الکفر ہے اور انسان کو اس میں رہنے سے اپنے دین کا خطرہ ہے تو اس جگہ سے ہجرت ضروری ہے اگر دار الکفر نہ رہے جیسے امام مہدی رح کے وقت ہوگا ۔ تو پھر ہجرت نہیں ۔ اور ابن تین رح کہتے ہیں کہ ہجرت مکہ سے مدینہ کی طرف واجب تھی ۔ اور بجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد مکہ میں بغیر عذر کے اقامت کرے وہ کافر ہوگیا ۔ حافظ ابن حجر رح کہتے ہیں ابن تین رح کا یہ مطلق کہنا ٹھیک نہیں بلکہ فتح مکہ تک مقید کرنا چاہیئے ۔ کیونکہ فتح مکہ کے بعد مکہ میں اقامت کی اجازت تھی ابن عربی کہتے ہیں ہجرت دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف

نکلنے کا نام ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فرض تھی اور اب بھی جس شخص کو اپنی جان کے خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو اس پر ہجرت فرض ہے اور جو ہجرت منسوخ ہو گئی وہ مطلق کسی جگہ کی طرف ہجرت ہے۔ صاحب بحر کہتے ہیں، دار الکفر جہاں کسی قسم کے گناہ فعل یا ترک میں پھنسنے کا خطرہ ہو اس سے ہجرت کرنا اجماعاً واجب ہے اگر امام ہجرت کا مطالبہ کرے تو بھی اجماعاً واجب ہے اور جعفر بن مبشر اور بعض ناردیہ دار الکفر پر قیاس کرتے ہوئے دار الفسق سے بھی وجوب ہجرت کے قائل ہیں مگر یہ قیاس مع الفارق ہے جو جائز نہیں کیونکہ دار الفسق دار الاسلام ہے پس اس کو دار الکفر پر قیاس کرنا نقلاً عقلاً کسی طرح صحیح نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

ہندوستان میں اقامت

سوال۔ کیا ہندوستان میں رہنا جائز ہے؟

جواب۔ ہندوستان میں اقامت جائز ہے چنانچہ حبشہ کی طرف ہجرت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی جو عیسائی حکومت تھی۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

مجرموں سے جنگ

سوال۔ کیا مجرموں سے جنگ جائز ہے؟ محی الدین لکھنوی

جواب۔ حسب طاقت برائی کی روک تھام ضروری ہے چنانچہ حدیث من رای منکم منکرا سے واضح ہوتا ہے ہاں جس قوم سے معاہدہ یا مصالحت ہو ان کے ساتھ حسب شرائط برتاؤ ہو گا، اور شرائط کے خلاف سختی جائز نہیں ہوگی۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

تبلیغ کی حد

سوال۔ تبلیغ کس حد تک ہونی چاہیئے۔ محی الدین لکھنوی

جواب۔ تبلیغ کی حد استطاعت ہے جتنی طاقت ہو کرے۔ جن قوموں کو دعوت پہنچ چکی ہے ان کو تبلیغ ضروری نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی قوموں پر شبخون کرتے اور اس وقت

تبلیغ نہ کرتے۔ عبداللہ امرتسری

جہاد یا اطاعت والدین

سوال۔ جہاد مقدم ہے یا اطاعت والدین؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ یعنی تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، رشتہ دار مال کماتے ہوئے تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے۔ اور مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ اشیاء خدا رسول اور خدا کی راہ میں جہاد سے تمہیں زیادہ پیاری ہیں۔ تو پھر عذاب کے منتظر رہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاد اطاعت والدین سے مقدم ہے مگر یہ عند الضرورت اور امام کے مطالبہ کے وقت ہو ورنہ خدمتِ والدین افضل ہے چنانچہ حدیث میں ہے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے لئے اذن مانگا۔ تو فرمایا تیرے والدین حیات ہیں؟ کہا ہاں فرمایا انہی میں جہاد کر اور ایک روایت میں ہے ان کی طرف لوٹ جا۔ اور ان کے ساتھ اچھا رہ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

قومی دشمن کے ساتھ جنگ

سوال۔ کیا مسلم کو اپنے سے قوی کے ساتھ جنگ جائز ہے۔

جواب۔ دشمن سے لڑائی کے لئے یہ شرط نہیں کہ مسلمانوں کو فتح کا یقین ہو بلکہ امید ہی کافی ہے اس لئے ابوسفیان نے احد کے دن کہا کہ بدر کا بدلہ اتر گیا۔ اَلْحَرْبُ سِجَالٌ اور لڑائی ڈول ہے کبھی کسی کے ہاتھ میں کبھی کسی کے ہاتھ میں جب لڑائی ڈول کی مثال ہوئی تو فتح کا یقین کس طرح ہو سکتا ہے اور اسی بناء پر قرآن مجید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ یہ دن ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے ہیں یعنی کبھی کسی کی فتح کبھی کسی کی اور غزوہ موتہ میں مسلمان تین ہزار تھے اور دشمن کی فوج لاکھ سے زائد تھی اور قرآن مجید میں ہے۔ بہت دفعہ قلیل جماعت کثیر جماعت پر باذن

خدا غالب آجاتی ہے اور بہت دفعہ غالب آجانے سے، فتح کی اُمید دلاتی ہے پس معلوم ہوا کہ دشمن سے لڑائی کے لئے فتح کا یقین شرط نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

اسلامی جنگ مدافعانہ ہے یا جارحانہ

سوال : کیا اسلامی جنگ مدافعانہ ہے یا جارحانہ؟ محی الدین لکھنوی

جواب : اسلامی جہاد دفاع کے لئے ہے نہ کہ جارحانہ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے جب مسلمانوں کو لڑائی کا حکم دیا۔ تو ان الفاظ سے دیا۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۔ یعنی جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے ان کو لڑائی کا اذن دیا جاتا ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو لڑائی کا اذن دینے کی دو وجہیں بتائی ہیں ایک یہ کہ وہ لڑائی کئے جاتے ہیں یعنی کافروں کی طرف سے لڑائی کی ابتداء ہوتی ہے دوم یہ کہ وہ مظلوم ہیں۔ یعنی کافر ناحق ان کو ستاتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اسلامی جنگ کی اصل غرض مدافعت ہے نہ کہ اور۔ اور دوسری آیت میں ہے کہ اگر تو کسی قوم کی عہد شکنی سے ڈرے تو ان کی طرف برابری کے ساتھ ڈال دے یعنی اطلاع دیدے کہ ہمارا تم سے کوئی عہد نہیں تاکہ دونوں شریک یکساں مطلع ہو جائیں

اس آیت کریمہ سے بھی معلوم ہوا کہ اسلامی جنگ، جارحانہ نہیں، بلکہ جب کسی قوم کی طرف سے خطرہ ہوتا ہے تو مسلمان بھی جنگ کے لئے تیار ہو جاتا ہے اس طرح ایک اور آیت میں ہے۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ کہ اگر دشمن صلح کے لئے جھکے تو تو بھی جھک جا۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اسلام صلح پسند مذہب ہے خواہ مخواہ جنگ چھیڑنا اس کی شان نہیں اگر جارحانہ طریق اختیار کرتا تو یہ ہدایتیں اس میں نہ ہوتیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

زانی زانیہ یہود کا سنگسار

سوال : جس حدیث میں یہود کا ایک زانی زانیہ یہود یہودیہ کو سنگسار کرنے کا ذکر ہے وہ حدیث کیسی ہے؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جعلی حدیث ہے۔

جواب ۔ یہ شخص ناواقف ہے اس کو علم نہیں۔ حدیث موضوع (جھوٹی) وہ ہوتی ہے جس کے راوی جھوٹے ہوں کتب اصول حدیث ملاحظہ ہوں۔ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں پھر موضوع جھوٹی کس طرح ہوئی۔ ہاں اگر یہ خیال ہو کہ یہ واقعہ عجیب ہے ایسا ہو نہیں سکتا۔ تو یہ بھی اس کی ناواقفی کی دلیل ہے کیونکہ دنیا میں عجیب سے عجیب واقعات نمودار ہوتے رہتے ہیں اور اخبارات میں ان کا ذکر آتا رہتا ہے۔ ابھی دہلی کا واقعہ ہے کہ چھ سالہ لڑکی کو بچہ پیدا ہو گیا یہ عجیب ہے یا بندر وں کا سنگسار کرنا اس قسم کے چند عجیب واقعات کی فہرست دیکھنی ہو تو رسالہ "معراج" ملاحظہ کریں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

آدم علیہ السلام کا داؤد علیہ السلام کو اپنی زندگی کا کچھ حصہ دیکر انکار کرنا

سوال ۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے کہ عالم ازل میں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ تو اس کی اولاد بھی اس سے پیدا کی اور ان کو نور دیا گیا۔ داؤد علیہ السلام کو آدم علیہ السلام نے اپنی ہزار برس عمر سے چالیس برس ان کو دیدیئے مگر بعد میں آدم نے عمر دینے سے انکار کر دیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے باوجود نبی ہو کر دیدہ دانستہ کیسے انکار کر دیا حالانکہ فرشتہ نے یاد بھی دلایا انبیاء تو کذب بیانی سے منزہ اور معصوم من الخطا ہوتے ہیں اور اس حدیث میں تو آدم علیہ السلام کی کذب بیانی صریح ظاہر ہے اس کا معقول جواب دیں۔

جواب ۔ دینے سے انکار جھوٹ نہیں ہاں اگر یوں کہتے کہ میں نے دینے کو کہا ہی نہیں تب جھوٹ ہوتا۔ تجھ سے مراد یہاں دینے سے انکار ہے کہ میں نہیں دیتا۔ اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ اولاد کو کوئی شے دے کر واپس لے سکتا ہے اگر تجھ سے مراد یہ ہو کہ میں نے دینے کو کہا ہی نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ میری یادداشت میں* اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ دوسرے کے یاد آنے سے بات یاد آجائے۔ رہی یہ بات کہ پھر کلمہ آمد کیا ہوا۔ تو اس صورت میں اس کا حدیث مذکور میں کوئی ذکر نہیں ہوگا۔ ممکن ہے کہ فرشتہ کے یاد دلانے سے منظور کر لیا ہو اور ممکن ہے نہ کیا ہو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عاشورے کے دن اہل و عیال پر فراخی کرنے کی حدیث

سوال :- ایک حدیث مشکوٰۃ میں بروایت ابن مسعودؓ کتاب الزکوٰۃ باب فی افضل الصدقۃ میں آئی ہے جو شخص کشادگی کرے اپنے کنبے پر خرچ کرنے میں عاشورہ کے دن کشادگی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر باقی سال ـــــ کیا عاشورہ کے دن حلوئی مانڈہ پکانا درست ہے یا نہیں ؟ اور یہ حدیث قابلِ احتجاج ہے یا نہیں؟

جواب :- یہ حدیث ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے اس کے کئی طرق ہیں بعض علماء نے بعض طرق کو صحیح کہا ہے۔ ـــــ امام شوکانی رح نے الفوائد المجموعہ فی بیان الاحادیث الموضوعہ کے ص۹۸ میں امالی امام عراقی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ابن جوزی رح اور ابن تیمیہ رح نے اس طریق سے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ اور امام سیوطیؒ نے اللآلی میں اس کے کئی طرق ذکر کئے ہیں۔ جو بعض بعض کو تقویت دیتے ہیں اور امام بیہقی رح سے بھی یہ نقل کیا ہے۔ کہ اس کے کئی طرق ہیں جب بعض بعض سے ملائے جائیں۔ تو کچھ تقویت ہو جاتی ہے اور اس کی ایک سند کو شرطِ مسلم پر کہا گیا ہے اس بناء پر اگر کوئی اس پر عمل کرے تو رکاوٹ نہ چاہیئے۔ ہاں اس کو بڑی اہمیت بھی نہ دینی چاہیئے۔ کیونکہ اس کی صحت کی بابت تسلی نہیں اگرچہ اس کی ایک سند کو شرطِ مسلم پر کہا گیا ہے مگر اس میں ابوالزبیر راوی عن کے ساتھ روایت کرتا ہے اور وہ مدلس ہے اور مدلس جب عن کے ساتھ روایت کرے۔ تو وہ روایت ضعیف ہوتی ہے علاوہ ازیں حافظ ابن حجر رح لسان المیزان میں اسی سند کی بابت جس کو شرطِ مسلم پر کہا گیا ہے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث نہایت منکر ہے معلوم نہیں کہ کون راوی اس کا منکر ہوا ہے پھر کہا ہے اس میں ایک راوی ابوخلیفہ فضل بن حباب ہے اس کی کتابیں جل گئی تھیں اس کے شاگرد محمد بن معاذ جو ابن الاحمر نے اس سے کتب جلنے کے بعد سنا ہو پس بغیر کتاب حدیث سنانے سے حدیث غلط ہو گئی ہے) ملاحظہ اللآلی جب صحت حدیث کا یہ حال ہے تو اوّل تو اس پر عمل ہی نہ چاہیئے۔ اور اگر کوئی کثرت طرق سے کچھ تقویت پہنچنے کی بناء پر عمل کرنا چاہیئے۔ تو اس کو بہت محتاط رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اصلیت تو اس دن کی صرف اتنی تھی۔ کہ اس دن کا روزہ رکھا جائے جس کی فضیلت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور عموماً روزہ کی افطاری کے وقت اچھے کھانے کا خیال ہوتا ہے۔ شاید اس بناء پر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل وعیال پر فراخی کا ارشاد فرمایا ہو۔ مگر اب اتفاقیہ اس دن عاشورہ میں حسینؓ کی شہادت ہونے سے شیعہ وغیرہ بہت سی خرافات اور بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں تعزیہ نکالنا اور رونا پیٹنا وغیرہ تو درکنار اصلیت ہی بدل ڈالی ہے روزہ کی بجائے شربت کی سبیلیں جاری کی جاتی ہیں لوگ خوب شربت پیتے اور پلاتے ہیں صدقہ، خیرات تو اس دن خصوصیت سے کرتے ہیں۔ حالانکہ اپنی طرف سے کسی دن کو کسی عمل کے ساتھ خاص کرنا بدعت ہے۔ جس پر بجائے ثواب کے عذاب ہوتا ہے۔ مثلاً عاشورہ کے دن اور عرفہ کے دن اسی طرح بعض اور دنوں کو روزہ کے لئے خاص کیا ہے ان میں روزہ رکھنا بڑا ثواب ہے۔ اب اگر کوئی جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے خاص کرے۔ کہ یہ دن زیادہ فضیلت والا ہے۔ تو اس کو بجائے ثواب کے گناہ ہوگا کیونکہ اس کی فضیلت نمازِ جمعہ کی خاطر ہے نہ کہ روزہ کی خاطر اسی لئے حدیث میں ہے یعنی جمعہ کی رات کو راتوں کے درمیان سے قیام کے ساتھ خاص نہ کرو۔ اور جمعہ کے دن کو دنوں کے درمیان سے روزے کے ساتھ خاص نہ کرو۔ اور یہ کہ درمیان آجائے۔

ٹھیک اسی طرح عاشورہ کے دن کوئی شے اپنی طرف سے خاص نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ اصل سے اس دن میں صرف روزہ ہے یا زیادہ سے مذکورہ حدیث کی بناء پر رات کو گھر میں کوئی اچھی شے پکا لے جیسے عام طور پر افطاری کے لئے ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلے یہ حدیث کوئی تسلی بخش نہیں، پھر اس پر حاشیہ آرائی کرنا خود کو زیادہ خطرے میں ڈالنا ہے بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ سرے سے اچھا کھانا ہی نہ پکائے۔ دیکھئے غیر نبی پر درود پڑھنا ثابت ہے مگر علماء نے لکھا ہے کہ چونکہ اب درود انبیاءؑ کا شعار ہو گیا ہے اس لئے غیر نبی پر مستقل طور پر درود نہ پڑھنا چاہیئے۔ اگر پڑھنا ہو تو بالتبع پڑھ لیا جائے۔ جیسے صلی اللہ علی النبی وآلہ اور یوں نہ پڑھے۔ صلی اللہ علیٰ آلہ یا علی اصحابہ یا علی زید وغیرہ ملاحظہ ہو۔ تفسیر ابن کثیر وغیرہ زیر آیت ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی نیز حدیث میں ہے۔ اَوْتِرُوْا یَا اَھْلَ الْقُرْآن (مشکوٰۃ باب الوتر) یعنی اے اہلِ قرآن وتر پڑھو۔ اہلِ قرآن سے مراد اہلِ اسلام ہیں یا خاص حافظ ہیں اور خاص حافظ مراد ہونے کی صورت میں وتر سے مراد تہجد ہوگی اور حافظوں کو خاص اس لئے کیا، کہ ان کو اس کا زیادہ خیال چاہیئے۔ کیونکہ سینہ میں قرآن ہے اب باوجود اس حدیث میں اہلِ قرآن آنے کے کوئی "اہلِ قرآن" نام رکھ لے تو یہ اچھا نہیں، تاکہ منکر قرآن ہونے

کا کوئی شبہ نہ پڑے کیونکہ یہ منکرین حدیث کا لقب ہو چکا ہے۔ اور کسی پر مستقل طور سے درود پڑھنا بھی اچھا نہیں تاکہ مرزائیوں وغیرہ سے تشبہ نہ ہو کیونکہ جب یہ انبیاء کا شعار ہو تو خواہ مخواہ شبہ ہوگا کہ شاید یہ بھی نئی نبوت کا قائل ہے ٹھیک اسی طرح اہلِ بدعت نے چونکہ عاشورہ کے دن کو بہت سی خرافات اور بدعات کے ساتھ حد سے بڑھا دیا ہے جن سے سبیلیں جاری کرنا اور اچھے اچھے کھانے پکانے اور کھانے کھلانے کا سلسلہ بھی ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس دن سوا روزے کے کچھ نہ کیا جائے۔ تاکہ اہلِ بدعت سے کسی قسم کا شبہ نہ ہو اگر حدیث پوری طرح تسلی بخش ہوتی تو بھی ثبوت کی طرف سے اطمینان ہوتا اب ثبوت کے لحاظ سے بھی کھٹکا ہے اور شبہ کا بھی خطرہ ہے اور اگر باوجود ان خطرات کے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ تو کم از کم اتنا تو ضرور کرے۔ کہ اس دن میں صدقہ وخیرات کا خاص اہتمام نہ کرے۔ نہ ہی ہمیشہ کے لئے ایک کھانے کی مثلاً حلوے مانڈے کی تعیین کرے۔ بلکہ صرف حدیث کے الفاظ پر نظر کرتے ہوئے اپنے اہل کے لئے کوئی اچھی شئے پکالے اس سے آگے بڑھ کر زیادہ خطرات کا موجب نہ بنے۔ واللہ الموفق عبداللہ امرتسری روپڑی۔

نابالغہ لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کا مسئلہ

سوال۔ نابالغ لڑکیوں کو اسکولوں یا مسجدوں میں پڑھانا کیسا ہے؟ لڑکیوں کو مرد سے پڑھانا بہتر ہے یا عورت سے۔

جواب۔ عورتوں کی تعلیم میں اگرچہ کچھ اختلاف ہے بعض منع کہتے ہیں بعض جائز۔ مگر صحیح یہی ہے کہ جائز ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں جواز کی حدیث موجود ہے۔ عورت پڑھانے والی ہو تو بہتر ہے فتنہ نہ ہونے کی صورت میں مرد کا پڑھانا بھی کوئی حرج نہیں اسکولوں میں آج کل خطرات بہت ہیں کوئی امن والی صورت اختیار کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی صورت ایسی میسر نہ ہو تو بہت چھوٹی عمر میں لڑکی کو جبکہ چنداں خطرہ نہ ہو تعلیم دلوائے قریب البلوغ ہو تو بند کردے۔ غرض تعلیم کا ایسا طریق اختیار کرے جس میں کوئی فتنہ والی صورت پیدا نہ ہو اور صحبت اچھی ہو ورنہ ایسی تعلیم سے تعلیم نہ دینا بہتر ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

حضرت یوسف کی شادی زلیخا سے

سوال ۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے زلیخا کی شادی ہوئی تھی یا نہیں؟ اگر ہوئی تھی تو نکاح کس نے پڑھایا تھا۔

جواب ۔ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے۔ یہ اسرائیلیات کی قسم سے ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وَلَا تُصَدِّقُوْهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ (مشکوٰۃ) (ان کو نہ سچا کہو نہ جھوٹا کہو) دوسری حدیث میں آیا ہے۔ حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج بنی اسرائیل سے بات بیان کرو۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس بنا پر تفسیروں میں اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ نکاح ہوا اور جوانی پھر آگئی وغیرہ وغیرہ ملاحظہ تفسیر معالم التنزیل جس کے مصنف صاحب مصابیح ہیں جو مشکوٰۃ شریف کا اصل ہے اس کے علاوہ اور تفسیروں میں بھی اس کا ذکر ہے جیسے خازن وغیرہ پس اس مسئلہ میں زیادہ کرید کی ضرورت نہیں کوئی بیان کرے۔ تو اس کو بُرا نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اور جو بیان نہ کرے۔ اس کو مجبور نہ کرنا چاہیئے۔ آج کل لوگ معمولی مسائل میں وقت ضائع کرتے ہیں اور اہم مسائل سے غافل ہیں خدا سمجھ دے۔ آمین

عبداللہ امرتسری روپڑی

قربانی کے چند اہم مسائل

سوال ۔ اگر ایک غریب آدمی جس پر قربانی واجب نہیں ہے وہ جانور خرید لے لیکن وہ جانور قربانی سے پہلے مرجائے یا چوری ہوجائے تو اس کے لئے قربانی کا کیا حکم ہے؟

جواب ۔ جن کے نزدیک قربانی واجب ہے وہ کہتے ہیں کہ جب غریب آدمی قربانی کا جانور خرید لے گا۔ تو وہ جانور قربانی کے لئے واجب ہوجائے گا۔ کیونکہ اس کو دوسرے جانور خریدنے کی طاقت نہیں تو گویا یہ ایسا ہوگیا۔ جیسے نذر مان لی۔ اور نذر پوری کرنی ضروری ہے اگر مرجائے تو اور دے خواہ ایک دے یا دو ایک تو ضروری ہے جو مرنے والے کا بدل ہے اور دوسری بہتر ہے جو اصل قربانی ہے۔

ﺭ اور اگر امیر قربانی خریدے تو وہ جانور معین نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کو اور جانور خریدنے کی بھی طاقت ہے جب معین نہ ہوا تو نذر کی شکل نہ ہوئی پس اس کے لئے ضروری نہیں کہ قربانی کرے ہاں کر دے تو بہتر ہے۔ لیکن یہ محض قیاس ہے امیر نے جب ایک جانور کی نیت کر لی۔ تو وہ نیت کرنے سے معین ہو گیا۔ حدیث میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ نیز اس سے لازم آتا ہے۔ کہ وہ قربانی کے وقت تک زندہ رہے تو اس صورت میں بھی امیر پر اس کی قربانی کرنی لازم نہ ہو۔ چاہے تو کرے ورنہ فروخت کر کے فائدہ اٹھالے۔ حالانکہ یہ بہت مذموم چیز ہے کہ اللہ کا نام کر کے پھر اللہ کے نام نہ دے پھر یہ تو ان لوگوں کا خیال ہے۔ جو قربانی کو واجب نہیں کہتے ہمارے نزدیک تو قربانی واجب ہے خواہ امیر ہو یا غریب اس لئے ہر صورت میں قربانی کرنی پڑے گی۔ خواہ قرض لے کر دے جس کو وہ بعد میں اتار سکتا ہے ہاں اگر اتنا تنگدست ہو کہ باوجود کوشش کے قربانی نہیں کر سکتا۔ تو اس کو بحکم لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا معافی ہو سکتی ہے۔

سوال :- اگر سات آدمی ایک گائے خریدیں۔ ان میں کچھ آدمی غریب حالت کے ہوں جن پر قربانی واجب نہ ہو اور کچھ آدمی امیر ہوں جن پر قربانی فرض ہو لیکن قربانی کا جانور ضائع ہو جائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب :- اس کا جواب پہلے سوال میں آگیا کیونکہ سات حصوں میں سے ایک حصہ قائم مقام ایک جانور کے ہے۔ پس جن کے نزدیک قربانی ضروری نہیں۔ وہ یہی کہیں گے۔ کہ غریب لوٹائے نہ امیر اور ہمارے نزدیک ہر ایک لوٹائے گا۔

تنبیہ

یہ بات یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہر ایک حصہ حقیقتاً جانور نہیں بلکہ شرع نے آسانی کے لئے ایسا کر دیا ہے۔ حقیقت میں وہ ایک ہی جان ہے اس لئے جس کو قربانی میں شبہ ہے۔ اس کو شامل نہ کرنا چاہیئے۔ جیسے بے نماز وغیرہ کیونکہ بہت سے علماء بے نماز کو کافر کہتے ہیں اور کافر کی قربانی نہیں اس طرح بریلوی مشرک وغیرہ یہ لوگ آپس میں مل کر قربانی کریں۔

سوال :- اگر کوئی شخص اپنے والدین یا کسی عزیز کی طرف سے قربانی دے۔ تو بعض کہتے ہیں اس قربانی کے جانور کا گوشت تمام تقسیم کر دیا جائے بعض کہتے ہیں کہ خود کھا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر کوئی آدمی جس کے والدین وفات پا چکے ہوں اور وہ آدمی ان کی طرف سے قربانی دے تو اس کے ساتھ اپنی قربانی بھی دینی چاہیئے۔ دین محمد ونوٹیاں والی

چک نمبر ۳۹ ضلع شیخوپورہ

جواب ۔ قربانی کے گوشت میں یہ تقسیم نہیں آئی کہ دوسرے کی طرف سے قربانی کرے تو خود نہ کھائے ہاں جو قربانیاں مکہ شریف بھیجی جاتی ہیں ان میں سے کوئی راستہ میں رہ جائے تو اس کے متعلق آیا ہے کہ تو اور تیرے ساتھیوں میں سے کوئی نہ کھائے کیونکہ اس میں خطرہ ہے کہ لوگ تھوڑا سا بہانہ بنا کر راستہ ہی میں کھانا شروع کر دیں اور اس پر اس جانور کو قیاس کر لیں جو یہاں قربانی کے لئے رکھا جاتا ہے اور قربانی کے وقت سے پہلے کسی حادثہ کی وجہ سے اس کو ذبح کر دیا جاتا ہے۔

حج بدل میں یہ شرط آئی ہے پہلے اپنا حج کرے پھر دوسرے کا کرے اس پر قربانی کو قیاس کر لیں ہاں اتنا فرق ہے کہ ایک حج ایک سال میں ایک ہی ہو سکتا ہے اور قربانیاں ایک سال میں متعدد ہو سکتی ہیں اس لئے اپنی طرف سے جو کر دے۔ اور دوسروں کی طرف بھی کر دے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

خط وکتابت میں بسم اللہ وغیرہ کا لکھنا

سوال ۔ خط وکتابت میں درود شریف بعد بسم اللہ شریف لکھنا جائز ہے یا نہ؟

جواب ۔ خط وکتابت میں بسم اللہ وغیرہ کا لکھنا اس کا کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ روم کو خط لکھا اس میں بسم اللہ بھی تھی اور آیت کریمہ یا اهل الكتاب تعالوا لکھی (مشکوٰۃ باب الکتاب الی الکفار)

طاعون وہیضہ میں دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کرنا

سوال ۔ مرض طاعون یا ہیضہ کے ارتفاع سے جنگل میں جا کر دو رکعت نفل ادا کر کے بعدہ دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب ۔ قوم یونس کے واقعہ سے نماز پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہاں باہر نکلنا ثابت ہوتا ہے

قوم یونس تو اس طرح نکلی تھی کہ ایک بھی گھر میں نہ رہا۔ یہاں تک کہ حیوانات کو بھی باہر لے گئے پھر انسانوں کے بچے ان کی ماؤں سے اور حیوانوں کے بچے ان کی ماؤں سے الگ کر دیئے جن کے رونے اور چلانے سے دھرتی کانپ اٹھی۔ طاعون وغیرہ کے لئے اگر ایسا نکلنا مسنون ہوتا تو خیر قرون میں اس پر عملدرآمد ہوتا۔ صحابہؓ کے زمانہ میں بڑے زور کی طاعون پڑی ہے جیسے طاعون عمواس میں وغیرہ (تاریخ ابن جریر) لیکن کہیں دعا کے لئے یا نماز کے لئے باہر نکلنا ثابت نہیں۔ چہ جائیکہ قوم یونس کی طرح نکلے ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ عام طور پر عذاب دو طرح کا ہوتا ہے ایک حقیقۃً عذاب ایک تنبیہ اور تادیب کے لئے قوم یونس کا عذاب حقیقۃً عذاب تھا۔ جو ان کی ہلاکت کے لئے آیا تھا جیسے اور قوموں پر آیا جن کا ذکر قرآن مجید میں جا بجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے عذاب سے امت محمدیہ کو پناہ دی ہے۔ اس لئے قوم یونسؑ والی صورت یہاں پیدا نہیں ہوتی۔ ہاں دوسری قسم کا عذاب بطور تنبیہ کے اس امت پر آتا ہے۔ جو مسلمان کے لئے رحمت اور کفارہ گناہ ہو جاتا ہے اس کی مدافعت کے لئے ہمیں وہی طریق اختیار کرنا چاہیئے۔ جو شریعت میں ثابت ہو قحط سالی کے لئے باہر نکل کر نماز و دعا کا حکم ہے اس میں چادر بھی الٹائی جاتی ہے دعا بھی الٹے ہاتھ کر کے مانگی جاتی ہے کسوف و خسوف کے لئے بھی نماز و روزہ دعا ذکر الٰہی ہے لیکن اس نماز کی ایک ایک رکعت میں کئی کئی رکوع کئے جاتے ہیں عام حوادث کے لئے پانچ وقتی نماز میں خصوصاً فجر میں دعا قنوت ہے جس میں طاعون حیضہ دشمن کی ایذار وغیرہ بھی شامل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت تھی۔ کہ جب کوئی کام آپکو غم میں ڈالتا تو نماز میں کھڑے ہو جاتے اور ابو ہریرہؓ کے پیٹ میں ایک مرتبہ درد ہوا تو آپؐ نے نماز کا ارشاد فرمایا اور ابن عباسؓ کو سفر میں اپنے بھائی کی وفات کی خبر پہنچی تو انا للہ پڑھا پھر رستہ سے ایک طرف ہو کر اونٹ بٹھایا اور دو رکعت نماز پڑھی جس میں قعدہ (التحیات) بہت لمبا کیا۔ پھر فارغ ہو کر چلے۔ اور یہ آیت پڑھی۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ یعنی صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔ اس طرح کہیں جا رہے تھے۔ کہ بیٹے کی وفات کی خبر پہنچی تو دو رکعت پڑھ کر فرمایا ہم نے خدائی ارشاد وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ کی تعمیل کی و دیگر صحابہؓ و تابعینؒ سے بھی اس قسم کی روایتیں آئی ہیں اور حذیفہؓ کہتے ہیں جنگ خندق کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا۔ آپ ایک لوئی (کمبل) اوڑھے ہوئے

نماز پڑھ رہے تھے۔ اور جب کوئی کام آپ کو غم میں ڈالتا تو نماز پڑھتے اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ کہ جنگ بدر کی رات ہم سب سوئے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات صبح تک نماز اور دعا میں مشغول رہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر اور فتح البیان وغیرہ میں آیت کریمہ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ کے نیچے ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ کے حوالہ سے اس قسم کی کئی روائتیں ذکر کی ہیں لیکن جماعت کا اہتمام یا جنگل میں نکلنا اس کے لئے ثابت نہیں۔ ہاں فرض نماز کے ضمن میں آتا حدیث میں آیا ہے کہ ارحنا یا بلال بالصلوٰۃ یعنی اے بلال ہمیں نماز کے ساتھ راحت دے یعنی اذان دے تاکہ نماز میں مشغول ہونے سے ہمیں راحت حاصل ہو۔ غرض ہر موقعہ کے لئے جو جو طریق بتایا گیا ہے۔ اس طریق پر چلنا چاہیئے۔ بہتر نمونہ ہمارے لئے خیر قرون ہیں جن کی اتباع کے ہم مامور ہیں ان کی روش کو دیکھنا چاہیئے اگر خیر قرون میں اس قسم کے امراض کے لئے وہ جنگل میں نکلے ہوں اور نماز پڑھی ہو تو پھر نکلنے میں کوئی حرج نہیں۔ ورنہ بچنا چاہیئے۔ رہا تعویزات کا سلسلہ تو اس کے لئے بھی خیر قرون کی روش کا دیکھنا ضروری ہے۔ جس قسم کا تعویذ ثابت ہے۔ پس نیک کلام کے علاوہ شرکیات یا مشتبہات تعویذ درست نہیں، حافظ محمد صاحبؒ کے تعویذات سے بعض شبہ والے ہیں جیسے اصحاب کہف کے ناموں کا تعویذ اور بحق مریم وعیسیٰ ابنا صالحا طویل العمر بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

طریق استخارہ اور اس کا محل

سوال ۔ طریق استخارہ کیا ہے؟

جواب ۔ استخارہ کا جو طریق حدیث میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کسی کام کا قصد کرنے سے پہلے دو نفل پڑھے خواہ رات میں یا دن میں پھر دعاء استخارہ پڑھے مگر اس دعا میں الامر کی جگہ اپنی ضرورت کا نام لے۔ ھذہ المنکاح یا ھذہ التجارۃ اس کے بعد جس کام کا قصد کیا ہے، اسی کی طرف متوجہ ہو اور خدا پر بھروسہ کر کے اس کو شروع کر دے اس میں خیر و شر کا پتہ لگنا شرط نہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے بعد سو جائے تاکہ نیند میں اس کام کے خیر و شر ہونے کا پتہ لگ جائے۔ مگر حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں نیز خدا جیسے نیند میں دکھا سکتا ہے بیداری میں بھی دل میں ڈال سکتا ہے ہاں استخارہ کے بعد اپنے دل کی کیفیت دیکھنی ضروری ہے مگر طبیعت ذرا مطمئن ہو

اور اس فعل کے کرنے کی طرف راغب ہو تو کرے ورنہ ترک کر دے کیونکہ استخارہ کی دعا میں یہ الفاظ ہیں کہ اے اللہ! اگر یہ کام تیرے علم میں خیر ہے تو میرے نصیب کر اور آسان کر پھر اس میں برکت ڈال اگر شر ہے تو مجھے اس سے پھیر دے اور خیر میرے نصیب کر خواہ کہیں ہو پھر میرا دل اس خیر کے ساتھ خوش کر۔ یہ الفاظ چاہتے ہیں کہ استخارہ کے بعد اگر دل اس طرف راغب نہ ہو تو نہ کرنا چاہیئے اگر راغب ہو تو خدا پر بھروسہ کر کے بے کھٹکے کرے۔ خواب وغیرہ کے انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہاں اگر کوئی بڑا اہم کام ہو۔ تو اس کے لئے زیادہ استخارہ کرے چنانچہ مسلم باب نقض الکعبۃ وبناءھا جلد اول میں حدیث ہے عبداللہ بن زبیر رض نے فرمایا کہ میں کعبہ کو گرا کر نئے سرے سے بنانے کی بابت تین روز استخارہ کروں گا۔ پھر تین روز کے بعد اس کام کو شروع کیا۔

بعض لوگ دوسرے سے استخارہ کراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ استخارہ کر کے ہمیں پتہ دو کہ یہ کام خیر ہے یا شر۔ حالانکہ حدیث میں دوسرے سے استخارہ کرانا نہیں آیا بلکہ خود کرنے کا ذکر ہے۔ نیز استخارہ کا اصل مقصد کمزوری کا اظہار ہے خدا ہر وقت بندے سے عاجزی و انکساری پسند کرتا ہے۔ کہ بندہ خود اس کی طرف متوجہ ہوتا ہو۔ کام کو ہاتھ ڈالے پس دوسروں سے استخارہ کرانے کے کچھ معنی نہیں۔

محل استخارہ

یہ تو استخارہ کے طریق کا بیان تھا۔ اب اس کا محل سنئے جو کام محض خیر ہو جیسے نماز روزہ۔ خیرات وغیرہ وہ محل استخارہ نہیں کیونکہ استخارہ کی دعا میں ہے کہ اے اللہ! اگر یہ کام خیر ہے تو میرے نصیب کر اگر شر ہے تو مجھے اس سے پھیر دے۔ یہ الفاظ چاہتے ہیں کہ جو کام محض خیر ہے اس کی بابت استخارہ نہیں بلکہ استخارہ ان امور کی بابت ہے جن کا خیر شر ہونا معلوم نہ ہو۔ در کار خیر حاجت استخارہ نیست رہا مذہب تو اس میں کسی وقت استخارہ نہیں۔ کیونکہ دعاء استخارہ میں یہ الفاظ ہیں کہ اے اللہ اگر میرے دین میں یہ کام بہتر ہے تو میرے نصیب کر۔ یہ الفاظ چاہتے ہیں کہ استخارہ دین (مذہب) میں نہیں بلکہ دین کے سوا دوسرے کاموں میں ہے علاوہ مذہب کی دو حالتیں ہیں اگر پوری تحقیق کے بعد مذہب واضح ہو جائے جس میں کسی قسم کے تردد، شبہ وہم کا دخل نہ رہے تو اس وقت استخارہ نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ جب اس کا حق اور خیر ہونا معلوم ہو چکا ہے اور اس کا خلاف شر ہے۔ تو پھر استخارہ کے کیا

معنی اور اگر تحقیق کے بعد اطمینان قلبی نہ ہو تو اس وقت یہ دعا ہونی چاہیئے کہ اے اللہ مجھ پر حق واضح کر دے۔ اور استخارہ میں اس طرح دعا نہیں ہوتی پس مذہب کے لئے کسی حالت میں بھی استخارہ مناسب نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

بَابُ مَالِ الْمَمْلُوْكِ إِذَا أُعْتِقَ

غلام آزاد کیا جائے تو مال کس کا ہے ؟

سوال: مالك ابن شهاب انه سمعه يقول مضت السنة ان العبد اذا اعتق تبعه ماله قال مالك ومما يبين ذالك ان العبد اذا اعتق تبعه ماله ان المكاتب اذا كوتب تبعه ماله وان لم يشترط وذالك ان عقد الكتابة هو الولاء بعينه اذا تم ذالك اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مضت السنۃ سے اگر مراد وہ حدیث ہے جس کو محشی نے بروایت احمد روایت کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ من اعتق عبدا وله مال فمال العبد له الا ان يشترط السيد ہے تو پھر اس کی دوسری روایت معارض ہے ايما رجل اعتق عبده فلم يخبره بماله فهو لسيده، رواه الاثرم وايضا قال البغوى فى شرح حديث من باع عبدا له مال فماله للبائع وذهب الاكثرون الى ان المال للمولىٰ كما فى البيع لا يتبعه المال و حملوا الحديث فى العتق على الندب والاستحباب (كذا فى المسوىٰ مصرى صـ۲۲۱)

اس کے نزدیک مال عبد مال سید ہے جیسا کہ روایت اثرم و حدیث بیع عبد سے ثابت ہے امام مالک رح و ابن شہاب رح کا فتویٰ غلط ہے آپ اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔ دوسرے امام مالک رح نے ان عقد الكتابة هو عقد الولاء بعينه سے کس طرح استدلال فرمایا ہے وجہ استدلال بیان فرمائیں ؟ اور سطور خط کشیدہ، امام مالک کا معنی و مطلب واضح الفاظ میں فرمائیں۔ ابو محمد عبدالجبار کھنڈیلوی

جواب: دوسری حدیث پہلی کے معارض نہیں کیونکہ اس میں فَلَمْ يُخْبِرْهُ کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آقا کو پتہ ہو کہ میرے غلام کے پاس مال ہے پھر اس نے آزاد کر دیا اور مال کی شرط نہیں کی تو مال غلام کا ہے اور اگر آقا مال سے بے خبر ہے اور غلام نے اس کو

نہیں بتایا گویا ایک طرح سے مال کو چھپا رکھا ہے تو اس صورت میں مال کا حق دار غلام نہیں بلکہ وہ آقا کی چیز ہے اور بغوی کی تاویل کہ ندب اور استحباب مراد ہے صحیح نہیں کیونکہ الا ان یشترط السید کی استثناء اس کی تردید کر رہی ہے۔ اگر ندب استحباب مراد ہو۔ تو سید کے شرط کرنے کا کچھ مطلب نہیں بنتا۔ نیز اگر بیع میں مال آقا کا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عتق کا بھی یہی حکم ہو۔ کیونکہ عتق فیاضی کا موقعہ ہے جس میں انسان کا دل کشادہ ہوتا ہے۔ اور بیع تنگی کا موقعہ ہے جس میں انسان ذرا ذرا کا حساب کرتا ہے۔ نیز بیع میں غلام دوسرے کی ملک میں جاتا ہے اس کو اپنے حوائج وضروریات کا کوئی فکر نہیں برخلاف عتق کے اس میں اپنے سر پر ہوتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ تھوڑا بہت مال اس کے پاس ہو تاکہ اپنا کوئی کاروبار کرنے تک اس کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ پس عتق کو بیع پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

مرض الموت میں مکاتب کو آزاد کرنا

سوال :۔ امام مالکؒ "باب الوصیۃ فی المکاتب" موطا میں فرماتے ہیں۔

مالك ان احسن ما سمعت فی المکاتب یعتقه سیده عند الموت ان المکاتب یقام علی ھیئته التی لو بیع کان ذلك الثمن الذی یبلغ فان کانت القیمة اقل مما بقی علیه من الکتابة وضع ذالك فی ثلث المیت ولم ینظر الی عدد الدراھم التی بقیت علیه وذالك انه لو قتل لم یغرم قاتله الا قیمته یوم قتله ولو جرح ولم یغرم جارحه الا دیة جرحه یوم جرحه ولا ینظر فی شئ من ذالك الی ما کوتب علیه من الدنانیر والدراھم لانه عبد ما بقی علیه من کتابته الخ

اس عبارت کی تشریح واضح الفاظ میں فرمائیں اور قاتل کی غرامت اور جارح کی جراحت کو اس میں کیا دخل ہے اور اس کی کتابت کے دراہم بقیہ کا کیوں حساب نہ ہوگا۔ اگر کتابت کا حساب نہ ہوگا تو ورثہ کو نقصان ہوگا۔ میت ثلث ہی وصیت کا مالک تھا۔ اور بعد وفات مولیٰ مکاتب غلام کی کیوں قیمت کی جاتی ہے۔ جبکہ اس نے مولیٰ سے کتابت کر لی تھی۔ اس کتابت بقیہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ثلث مال سے اگر وہ آزاد ہو جاتا تو ہو جاتا۔ ورنہ پھر وہ وارثین کا غلام ہے لحدیث المکاتب

عبد ما بقی علیہ درھم نیز مکاتب نصف آزاد اور نصف غلام کی تنصیف دیت پر جو حدیث دلالت کرتی ہے وہ اس کے معارض ہے (ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلہ)

جواب: جب انسان مرض موت سے بیمار ہو جاتا ہے تو اس کے مال سے اس کے ورثاء کا تعلق ہو جاتا ہے اگرچہ تہائی تک خدا نے اپنے فضل سے اس کو تصرف کی اجازت دی ہے مگر اس کو کچھ اچھا نہیں سمجھا گیا کیونکہ عمل کا اصل موقعہ صحت وتندرستی ہے دنیا سے مایوسی کے موقعہ پر عمل انسان کے لئے کچھ کمال نہیں اس لئے حدیث میں ہے کہ قریب المرگ ہو کر انسان کہتا ہے فلاں کو اتنا دو اور فلاں کو اتنا دو۔ وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ۔ یعنی یہ کہنا فضول ہے کہ فلاں کو اتنا دو اور فلاں کو اتنا کیونکہ وہ خود بخود ہی فلاں کا ہو گیا۔ اور اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ثلث کی اجازت دی تو ساتھ ہی فرمایا وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ یعنی ثلث بہت ہے نیز فرمایا کہ اگر تو ورثاء کو غنی چھوڑ جائے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ تو مال ادھر اُدھر دے اور بیچارے بھیک مانگتے پھریں پس جب اصل یہی ہے کہ ورثاء کا تعلق مال سے کامل ہے تو مرنے والے کا تصرف اس میں قریباً قریباً ایسا ہی ہے جیسے کوئی مکاتب کو قتل کر دے یا زخمی کر دے۔ یعنی غیر کی شئے میں دست اندازی کرے پس جب قیمت کتابت سے کم ہو گی تو اس قیمت کا لحاظ ہو گا۔ اگر میت کے ثلث مال سے پوری ہو گئی تو بہتر ورنہ بقیہ غلام ادا کرے گا۔ اس تفصیل سے آپ کو قتل اور جراحت کے درمیان لانے کی وجہ معلوم ہو گئی رہی یہ بات قتل اور جراحت میں قیمت کا لحاظ کیوں رکھا جاتا ہے۔ کتابت کا کیوں نہیں ہوتا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کتابت آقا اور غلام کے درمیان ایک عقد ہے اور قتل اور جراحت غلام کی ذات پر واقع ہوتے ہیں اور غلام کی ذات وہی قیمت ہے اس لئے قاتل اور جارح اسی کے ذمہ وار ہو سکتے ہیں نہ کتابت کے یہ امام مالکؒ وغیرہ کا مذہب ہے۔ لیکن حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ غلام کی ذات محض قیمت نہیں بلکہ جتنی کتابت ادا کر چکا ہے اتنی دیت حر ہے اور باقی قیمت ہے اور دیت حر کا یہ مطلب نہیں کہ اتنا وہ حقیقتاً آزاد ہے۔ بلکہ اس سے مطلب صرف غلام کی محنت کی رعائت کرتے ہوئے اس کی شرافت کا اظہار ہے ورنہ حقیقتاً تو وہ غلام ہے چنانچہ دوسری حدیث میں ہے اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ یعنی مکاتب غلام ہے۔ جب تک اس پر ایک درہم باقی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ غلام کو ایک نسبت لوگوں کی طرف ہے

اور ایک نسبت آقا کی طرف ہے ابن شہاب نے پہلی نسبت میں غلام کا لحاظ کیا ہے اور دوسری نسبت میں آقا کا لحاظ کیا ہے آقا کے ساتھ چونکہ غلام کی شرط ہوتی ہے۔ کہ قسطوار اتنی رقم ادا کر کے آزاد ہو جاؤں گا۔ اس لئے جب تک اپنی شرط کے مطابق پوری رقم ادا نہ کرے۔ وہ آزاد نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اس میں آقا کی حق تلفی ہوگی۔ اور غلام چونکہ محنت سے قسطوار رقم ادا کر رہا ہے اور ما شدہ بھی اس کا یہی مقصد ہے کہ ادا کرتا ہے اس لئے اس کی محنت کی رعایت کرتے ہوئے شریع نے اس کو یہ شرف بخشا ہے کہ اس کی دیت حر کی کر دی ہے اور پردہ کے مسئلہ کی بنا چونکہ زیادہ احتیاط پر ہے اس لئے اس میں صرف پوری رقم کا تیار ہونا ہی ادائیگی کے قائم مقام سمجھ لیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب ایک تمہاری کے مکاتب کے پاس اتنی رقم ہو کہ وہ ساری کتابت کے لئے کافی ہو تو تم اس سے پردہ کرو جیسے اس مسئلہ میں پردہ کے حکم دینے سے حقیقۃً آزاد ہونا مراد نہیں اسی طرح دیت حر کا مسئلہ ہے اس میں بھی حقیقۃً آزاد ہونا مراد نہیں پس اب سب احادیث میں موافقت ہو گئی اور کسی طرح کا کوئی اعتراض نہیں رہا ہاں امام مالکؒ وغیرہ کے مذہب پر اعتراض پڑتا ہے کہ دیت حر والی حدیث کی رعایت نہیں کی۔ شاید ان کو پہنچی نہ ہو یا ان کو صحت میں تردد ہو اس قسم کی کوئی اور وجہ ہو ورنہ حاشا دیدہ دانستہ مخالفت کا شبہ ان پر نہیں ہو سکتا ان کی شان اس سے بالاتر ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ

اَلْوَصِیَّۃُ فِی الْمُکَاتَبِ

سوال: امام مالکؒ باب الوصیۃ فی المکاتب ۳۸ میں لکھتے ہیں۔

فان کان السید قد اوصی لقوم بوصایا ولیس فی الثلث فضل عن قیمۃ المکاتب بدا بالمکاتب لان الکتابۃ عتاقۃ والعتاقۃ تبدأ علی الوصایا ثم تجعل تلک الوصایا فی کتابۃ المکاتب یتبعونہ بھا وتخیر ورثۃ الموصی فان احبوا ان یعطوا اھل الوصایا وصایاھم کاملۃ وتکون کتابۃ المکاتب لھم فذالک لھم فان ابوا واسلموا المکاتب وما علیہ الی اھل الوصایا فذالک لھم لان الثلث صار فی المکاتب ولان کل وصیۃ اوصی بہ احد فقال الورثۃ الذی اوصی بہ صاحبنا اکثر من ثلثہ وقد اخذ مالیس لہ

فان ورثته يخيرون الخ

اس عبارت کا خلاصہ مطلب سے تشریح بیان فرمائیں اور لفظ لان الثلث صار حق المکاتب ، فلان کل وصیۃ اوصی بہ احد کس کی علت ہے اور ماقبل سے اس کو کیا تعلق ہے اور ترکیب نحوی اس کی کیا ہے جب ثلث مال میت سے مکاتب آزاد ہوگیا تو پھر اور وصایا مکاتب پر کیوں ڈالی جاتی ہیں۔ اور جب مقدم آزاد گی مکاتب ہے۔ تو پھر ورثاء کو کیوں اختیار دیا جاتا ہے اور مکاتب ان کو کیوں سپرد کیا جاتا ہے

ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلہ

جواب :۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب آقا نے مرض الموت میں غلام سے مکاتبت کی اور غلام کی قیمت ایک ہزار ہے اور تہائی مال بھی ہزار ہے تو یہ مکاتبت جائز ہوگی اگر اس کے ساتھ وصایا بھی ہوں تو مکاتبت سب پر مقدم ہوگی۔ کیونکہ یہ عتاقت ہے اور عتاقت سب پر مقدم ہے۔ ہاں اور وصایا مکاتبت کی رقم سے پوری ہوں گی اب ورثاء کو اختیار ہے خواہ اہل وصایا کی وصایا اپنے پاس سے پوری کردیں، اور مکاتبت ان کے لئے ہوجائے۔ اور خواہ مکاتبت اہل وصایا کے حوالے کردیں اور خود مکاتبت سے بے تعلق ہوجائیں۔ کیونکہ ثلث مکاتبت میں آگیا ہے (اس لئے دیگر وصایا کا تعلق اس مکاتبت سے ہوگا، اور ورثاء کو اختیار اس لئے دیا جاتا ہے کہ جو اس قسم کی وصیت ہو جس میں ورثاء شبہ کرسکیں کہ یہ تہائی سے زیادہ ہے تو اس میں ان کو اختیار دیا جاتا ہے۔ کہ خواہ ثلث مال اہل وصایا کے حوالے کردیں اصل بات یہ ہے کہ غلام اور اس کی کمائی سب آقا کے لئے ہے غلام سے کچھ لے کر اس کو آزاد کرنا یہ مکاتبت کی صورت ہے۔ یہ بیع وشرا نہیں کیونکہ بیع وشرا تب ہو جب مال حقیقتاً غلام کا ہو پس مکاتبت درحقیقت عتاقت (آزاد کرنا ہے اور انسان کا اصل چونکہ آزادی ہے اس لئے اس کو سب وصایا سے اہمیت دیتے ہوئے مقدم کیا گیا اور صورت مفروضہ میں غلام کل مال کی تہائی ہے اور مرنے والے کو تہائی تک ہی تصرف کی اجازت ہے پس مرنے والے نے غلام کے ساتھ مکاتبت کرکے گویا اپنا سارا حق لے لیا۔ اب دیگر وصایا کے لئے بجز مکاتبت کی رقم کے اور کوئی جگہ نہیں اس لئے لامحالہ اسی رقم سے پوری کی جائیں گی۔ لیکن ورثاء اگر شبہ کریں کہ یہ غلام تہائی سے زیادہ ہے۔ تو وہ اس کی مکاتبت پر قبضہ کرلیں اور اہل وصایا اپنے پاس سے پوری کردیں۔

نوٹ

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لان الثلث صار فی المکاتب اہل وصایا کے حوالہ کرنے کی علت ہے اور ولان کل وصیۃ الخ یہ اس کو حوالہ کرنے یا کرنے میں ورثاء کو اختیار دیئے جانے کی علت ہے چونکہ یہ دونوں باتیں (مکاتبت اہل وصایا کے حوالہ کرنا اور حوالہ کرنے نہ کرنے میں ورثاء کو اختیار دیئے جانا) پہلے اکٹھی ذکر ہیں اس لئے ان دونوں کی علتیں عطف معطوف کے ساتھ اکٹھی ذکر کر دیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ

سوال ۔ امام مالکؒ باب الوصیۃ فی المکاتب ص۲۲۳ میں لکھتے ہیں۔

وقال مالک اذا وضع الرجل عن مکاتبہ عند موتہ الف درہم من اول کتابتہ او من آخرھا وکان اصل الکتابۃ ثلثۃ آلاف درہم قوم المکاتب قیمۃ النقد ثم قسمت تلک القیمۃ فجعل لتلک الالف التی من اول الکتابۃ حصتہا من تلک القیمۃ بقدر قربہا من الاجل وفضلہا ثم الالف التی تلی الالف الاولی بقدر فضلہا ایضا ثم الالف التی تلیہا بقدر فضلہا ایضا ثم الالف التی تلیہ بقدر فضلہا ایضا حتی یؤتی علی آخرھا تفضل کل الف بقدر موضعہا فی تعجیل الاجل وتاخیرہ لان ما استاخر من ذلک کان اقل فی القیمۃ ثم یوضع فی ثلث المیت قدر ما اصاب تلک الالف من القیمۃ علی تفاضل ذلک ان قل او کثر فہو علی ہذا الحساب اس عبارت کا معنی مطلب واضح الفاظ میں فرمائیں۔ اور قرب بعد تعجیل تاخیر کی جو شقیات امام صاحب نے بیان فرمائی ہیں ان کی کیا وجہ ہے؟

جواب ۔ یہ بات ظاہر ہے کہ نقد ادھار میں اور ادھار ادھار میں بڑا فرق ہوتا ہے ایک شے ادھار دس روپے کو ملتی ہے تو نقد پانچ روپے یا کچھ کم و بیش کو بھی مل سکتی ہے اور اگر سال کے ادھار میں ایک شے کی قیمت بیس روپے ہے تو چھ ماہ کے ادھار میں پندرہ روپے ہوگی، مکاتب چونکہ قسط وار رقم ادا کرتا ہے اور عموماً سال سال کی قسط ہوتی ہے اس لئے جو قسط نزدیک ہوگی اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوگی اور دور والی کی کم اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مکاتبت عتاقت ہے اور عتاقت کا تعلق غلام کی ذات سے ہے تو گویا مکاتبت سے کچھ معاف کرنا درحقیقت غلام کی قیمت سے معافی ہے سو غلام کی قیمت لگا کر ان قسطوں پر تقسیم کی جائے گی اول قسط کا حصہ

نقد، ادھار یا ادھار ادھار کا فرق کا لحاظ کرتے ہوئے زیادہ ہوگا، دوسری قسط کا اس سے کم تیسری قسط کا اس سے کم اب جوتھی قسط آنا نے معاف کی ہے اس کے حقے ہیں جو کچھ آئے گا آنا ثلث مال سے معاف کردیا جائے گا۔

عبداللہ نشتر تیسری رویٹری

تفسیر جلالین کی بعض عبارت کا حل

سوال ۔ آیت وصیت درحالت سفر ایک مشہور آیت جس کی ترکیب نحوی و تفسیر اشکل الآیات سے شمار کی گئی ہے۔

قَالَ اللہ تَعَالیٰ یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَیْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللہِ الآیۃ

اس آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطی رح نے لکھا ہے ۔ وَالْحُكْمُ ثَابِتٌ فِی الْوَصِیَّیْنِ مَنْسُوْخٌ فِی الشَّاهِدَیْنِ وَكَذَا شَهَادَةُ غَیْرِ أَهْلِ الْمِلَّةِ مَنْسُوْخَةٌ

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیت کریمہ میں شہادۃ سے مراد اشہاد فی الوصیۃ ہے یا شہادۃ معروفہ ؟ دوسرے حکم ثابت سے کیا مراد ہے ؟ آیا صرف اشہاد وقت وصیت مختصر یا تحلیف وصیین، تفسیر جمل میں حکم سے تحلیف لیا ہے لیکن سیاق آیت سے اشہاد وقت وصیت معلوم ہوتا ہے تیسرے تحلیف کی منسوخیت فی الشاہدین پر کون سی آیت دلیل ہے بلکہ اس آیت میں شہادت سے مراد ہی وصیت ہے۔ کما لا یخفیٰ۔ لہٰذا آپ اپنی تحقیق اور معلومات سے مطلع فرمائیں۔

چوتھے اس آیت کے شان نزول میں روایات مختلف آئی ہیں جو آپس میں متعارض ہیں، امام ترمذی رح نے جو طویل روایت اس آیت کی تفسیر میں ذکر کی ہے وہ بخاری کی روایت کے صریح مخالف ہے کیونکہ بخاری کی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جام منقش جس پر ملمع تھی وہ مکہ میں مل گیا اور وارثین میت نے قسم کھا کر اس کو حاصل کر لیا۔ مگر حدیث ترمذی رح سے معلوم ہوتا ہے کہ تمیم داری رض نے بعد اسلام تائب کی جاریہ وارثین کو پانچ سو درہم اپنے حصے کے۔ جس کی قیمت ادا کر دی پھر اولیاء میت نے اس قصہ سے آگاہ ہو کر اور قسم کھا کر عدی بن بداء سے بھی پانچسو درہم وصول کر لئے اور وہ جام بعینہ ان کو نہیں ملا۔ حالانکہ بخاری کی روایت میں بعینہ جام کا مکہ میں پایا جانا ظاہر ہے گو یہ روایت غریب

اور ضعیف ہے اگر ان دونوں (روایت بخاری اور ترمذی) میں صورت تطبیق ہو تو بیان فرمائیں کیونکہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جام جس کو تمیم داری رض اور عدی بن بداء نے فروخت کیا تھا اس سے لے لیا گیا جب جام لے لیا گیا، پھر قیمت کا وصول کرنا کیا معنیٰ اصل ھذا الا تعارض مَتِّنُ بَيْنَ الروايات۔

محمد عبدالجبار سلفی مدرس مدرسہ مصباح العلوم کھنڈیلہ جے پور۔

جواب۔ یہاں پر تین صورتیں ہیں۔

ا۔ مرنے والا ایک شخص کو جو حاضر ہے وصیت کرے اور دو گواہ کرے۔

ب۔ مرنے والا جس کو وصیت کرنا چاہتا ہے وہ حاضر نہیں۔ دو شخصوں کو حاضر کر کے ان کے سامنے وصیت کرتا ہے۔ تاکہ غیر حاضر وصی کے متعلق مرنے والے نے جو کچھ وصیت کی ہے، اس پر ان کی گواہی ہو۔

ج۔ مرنے والا دو شخصوں کو حاضر کر کے وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد تم ایسا کرو۔

تیسری صورت میں یہ دونوں وصی ہوں گے۔ دوسری صورت میں وصی نہیں ہوں گے۔ بلکہ حاضر عندالوصیت ہوں گے۔ پہلی صورت شہادت معروفہ کی صورت ہے یعنی کسی کے ذمہ کسی کے حق کی خبر دینا دوسری صورت بھی اس کے قریب قریب ہے یہاں پر الفاظ آیت تینوں صورتوں کے محتمل ہیں۔ مگر شان نزول کی طرف نظر کرتے ہوئے پہلی دو مراد ہو سکتی ہیں۔ اور حکم آیت میں دو ہیں ایک اشہاد وقت وصیت جس کی تین صورتیں اوپر بتائی ہیں دوسرے ادائگی شہادت کے وقت تحلیف شاہدین جلالین کی عبارت میں دوسرا حکم مراد ہے۔

منسوخیت کی دلیلیں کئی ہیں ایک اجماع ہے دوم حدیث مشہور البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر یعنی شہادت مدعی پر ہے اور قسم منکر پر ہے اس حدیث میں شہادت کو قسم کا مقابل بنایا ہے اگر شہادت کے ساتھ قسم بھی ہو تو پھر مقابلہ ٹھیک نہیں رہتا۔ سوم:۔ اگر مدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو دوسرے گواہ کے قائم مقام اس کی قسم ہے۔ چنانچہ ابن عباس رض سے روایت ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضیٰ بیمین وشاھد رواہ احمد ومسلم وابوداؤد وابن ماجہ (منتقی باب الحکم بالشاہد والیمین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم کے ساتھ فیصلہ کیا ——— اس سے صاف معلوم ہوا کہ قسم ایک گواہ کے قائم مقام

ہے غرض اس قسم کی کئی دلیلیں ہیں جو منسوخیت پر دلالت کرتی ہیں جن کی وجہ سے اجماع ہو گیا ہی موافقت کہ اس کی صورت یہ ہے۔ پانچ پانچ سو درہم وصول کرنے کے بعد ورثاء نے سنار سے جام واپس لے لیا۔ اور اس کی رقم واپس کر دی۔ اس لئے کسی نے صرف جام کا ذکر کر دیا۔ اور رقم کا ذکر چھوڑ دیا۔ اور کسی نے رقم ذکر کر دی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

القسامة

سوال ۔ امام بخاری رح نے باب القسامہ میں ایک حدیث طویل ذکر کی ہے جس میں ایک واقعہ قاتل و مقتول کا بیان کیا ہے۔ کہ ایک یمانی شخص نے ایک شخص سارق کو قتل کر دیا۔ پھر ہذیل قبیلہ نے حضرت عمر رض کی خدمت میں یہ دعویٰ دائر کر دیا کہ یہ شخص مقتول ہمارا حلیف تھا لیکن قاتل اور ان کے وارثین نے کہا کہ یہ ان کا حلیف نہیں ہے بلکہ وہ اس کو خلیع کر چکے ہیں یعنی اپنا حلیف ہونا اس سے علیحدہ کر چکے ہیں۔ اس پر حضرت عمر رض نے فرمایا۔ لیقسم خمسون من هذيل ما خلعوه قال فاقسم منهم تسعة واربعون رجلا فقدم رجل منهم اى من هذيل من الشام فسألوه ان يقسم فافتدى يمينه منهم بالف درهم فادخلوا مكانه آخر فدفعه الى اخى المقتول فقرنت يده بيده قال فانطلقا والخمسون الذين اقسموا حتى اذا كانوا بنخلة اخذتهم السماء فدخلوا فى غار فى الجبل فانهجم الغار على الخمسين الذين اقسموا فماتوا جميعا وافلت القرينان فاتبعهما حجر فكسر رجل اخى المقتول فعاش حولا ثم مات (بخاری باب القسامة)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو بین السطور بخاری میں مرجع فدفعہ کا رجل آخر کو قرار دیا گیا ہے وہ میرے نزدیک غلط ہے کیونکہ جس رجل آخر کو پچاس عدد کی تکمیل کے لئے بھرتی کیا گیا تھا۔ وہ اخی المقتول کو کیوں دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ کیوں باندھا گیا۔ اس کو تو صرف تکمیل پچاس کے لئے بھرتی کیا گیا تھا۔ اس کو اخی المقتول کے سپرد کرنے کی کوئی وجہ وجیہہ نہیں معلوم ہوتی پس میرے خیال میں دفعہ کی ضمیر رجل یمانی قاتل کی طرف لوٹتی ہے محشی نے جو سمجھا ہے وہ محل غور ہے ورنہ ان کا قسم کھانا بے معنیٰ ہوتا ہے جب کہ ان کے سپرد قاتل مقتول کر باوجود قسم کھانے کے بھی نہیں کیا گیا ہے۔ ــــــــــ رہا یہ امر کہ وہ شخص جو اخی المقتول کو دیا گیا تھا۔ وہ کیسے سلامت رہا۔

سو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے قول خلیع میں سچا تھا۔ دوسرے جو شخص اس کے ہاتھ سے مارا گیا۔ وہ عمداً نہیں مارا گیا بلکہ خطأً مارا گیا تھا۔ اس لئے وہ عذاب الہٰی سے بچ گیا واللہ اعلم عند اللہ۔

اور رہے وہ شاہدین کاذبین جو بوجہ اپنی کذب بیانی کے عذاب الہٰی میں مبتلا کئے گئے لہٰذا آپ غور فرماکر اس مقام کو حل فرمائیں حافظ ابن حجرؒ نے اس پر کچھ نہیں لکھا ہے اور محشی نے جو کچھ لکھا ہے وہ میرے نزدیک محل غور ہے تیسرے امام بخاریؒ نے اس قصہ کو کیوں باب القسامہ میں بیان کیا ہے۔ قسامت سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے ہاں بقول محشی یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ کی اس سے غرض مدعا علیہ کو قسم دینا ہے نہ کہ مدعی کو جیسا کہ شوافع اور محدثین کہتے ہیں کہ مسئلہ قسامت میں پہلے مدعی پر قسم ہے پھر مدعا علیہ پر شاید امام بخاریؒ کا رجحان احناف کی طرف مائل ہو ولا اعتراض علیہ لانہ مجتہد مطلق

ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلوی جے پور

جواب۔ محشی بین السطور کی غلطی ہے قریب ہونے کی وجہ سے محشی کا خیال اس طرف چلا گیا ہے کہ یہی مرجع ہے ورنہ مرجع درحقیقت رجل یمانی ہے۔ اور اس واقعہ کی مناسبت دو طرح سے ہے ایک یہی جو محشی نے بیان کی ہے دوم یہ کہ قسامت سے قود ثابت نہیں ہوتا کیونکہ قسامت کی بناء محض ظن پر ہے ظن پر قسم کھانے والوں کا جو انجام ہوا وہ اس قصہ سے ظاہر ہے۔ گویا امام بخاریؒ کا مذہب حنفیہ شافعیہ کے بین بین ہے حنفیہ قسامت کے ساتھ قود کے قائل ہیں امام بخاریؒ اس میں ان کے مخالف ہیں اور شافعیہ کہتے ہیں۔ حلف کی ابتداء مدعی سے ہوگی اگر وہ انکار کرے تو پھر مدعا علیہ قسم کھائے۔ امام بخاریؒ اس میں حنفیہ کے موافق ہیں کہ ابتداء مدعا علیہ سے ہونی چاہیئے چنانچہ فتح الباری کی عبارت سے ظاہر ہے۔

الشہادۃ علی الخط المختوم

سوال۔ امام بخاریؒ نے باب الشہادۃ علی الخط المختوم وما یجوز من ذالک وما یضیق علیہ منعقد کرتے ہیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ شہادت علی الخط سے مراد اشہاد علی الخط ہے یا صرف شہادت من الخط المختوم ہے امام بخاریؒ کی غرض خط مختوم سے ثبوت شہادت من الخط ہے احناف اس کے قائل نہیں لیکن بعض اوقات جبکہ خطوط میں توافق وتشابہ ہو تو پھر اسکے لئے فیصلہ کی کیا صورت

ہے اور یہ شہادت علی الخط المختوم عام امور میں ہے یا خاص امر میں اسکی تشریح فرمائیں اور امام بخاری رح اسی باب میں لکھتے ہیں وکتب عمرؓ الی عاملہ فی الجارود اس کا تفصیلی واقعہ کیا ہے؟ حضرت عمرؓ کا عامل کی طرف لکھنا شرح حال کیلئے تھا یا اقامت حد کے لئے۔

ابو محمد عبد الجبار کنڈیلہ جے پور

جواب ۔ اس باب میں امام بخاری رح نے تین حکم بیان کئے ہیں۔ ۱۔ شہادت علی الخط ب کتاب القاضی الی القاضی ج شہادت علی الاقرار بما فی الکتاب۔ جو دوسرے لفظوں میں اشہاد علی الخط ہے۔ امام بخاری رح نے جو باب شہادت علی الخط المختوم باندھا ہے۔ اس سے ایک توجیہ اشہاد علی الخط مراد ہے دوم اس سے یہ مراد ہے کہ ایک شخص نے ایک واقعہ لکھا ہوا پایا اور پہچان لیا کہ میرا خط ہے۔ مگر واقعہ یاد نہیں آتا تو کیا صرف خط پہچان کر اس واقعہ کے متعلق حاکم کے سامنے شہادت دے سکتا ہے۔؟ امام بخاری رح کا خیال معلوم ہوتا ہے کہ دے سکتا ہے جمہور اس کے قائل نہیں۔ حضرت عمرؓ کا جارود کے وقت میں لکھنا شرح حال کے لئے تھا۔ اور یہ واقعہ بقدر ضرورت فتح الباری میں اسی مقام پر ہے۔ اگر پورا مطلب ہو تو الاستیعاب اور اصابہ فی تمیز الصحابہ میں ملاحظہ کریں اور اس کی مناسبت کتاب الحاکم الی عاملہ وکتاب القاضی الی القاضی سے ہے اور جمہور کتاب القاضی الی القاضی کو بغیر گواہوں کے معتبر نہیں سمجھتے۔ اس کی تردید میں امام بخاری رح نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ اور ان کے عامل کے درمیان جو خط و کتابت ہوتی۔ اس کو فریقین عمرؓ اور ان کے عامل بغیر گواہوں کے قبول کرتے رہے اس طرح عمر بن عبد العزیز رح نے اپنے عامل کو لکھا ان کے علاوہ جواز کے متعلق اور علماء کے حوالے بھی امام بخاری رح نے ذکر کئے ہیں اور حنفیہ کتاب القاضی الی القاضی کو حدود میں گواہوں کے ساتھ بھی جائز نہیں کہتے اس کی تردید میں بخاری نے شافعی کا قول پیش کیا ہے۔ نہ وہ قتل خطاء میں قائل ہیں اور اسی سے شہادت علی الخط المختوم بالمعنی الثانی کا جواز بھی معلوم ہو گیا۔ کیونکہ اس میں شبہ یہی ہے کہ خط خط کے مشابہ ہو جاتا ہے اور کتاب القاضی الی القاضی میں بھی یہی شبہ ہے۔ مگر باوجود اس کے یہ جائز ہے پس شہادت علی الخط بھی جائز ہوگی۔ رہا شہادت علی الخط بالمعنی الاول یعنی اشہاد علی الخط کا جواز تو اس کی صورت یہ ہے کہ قاضی ایک خط لکھتا ہے اس پر وہ گواہ کرتا ہے لیکن جو کچھ لکھتا ہے اس کا پتہ ان گواہوں کو نہیں دیتا۔ کیا صرف اتنے پر وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ اس خط میں جو کچھ ہے۔ اس کے ساتھ قاضی کا اقرار ہے خواہ یہ خط دوسرے قاضی کو لکھے یا اپنے فیصلہ کی یادداشت اپنے دفتر میں رکھے جب ضرورت پڑے اس وقت یہ شہادت دیں۔ امام ابو حنیفہ رح اور امام شافعی رح

اس کو جائز نہیں کہتے ۔ اور امام مالک رح جائز کہتے ہیں ۔ اسی طرح کسی نے وصیت لکھی اور اس پر گواہ کئے مگر ان کو پڑھ کر نہیں سنائی اس حالت میں اس کو بند کرکے مہر لگا دی یا دستخط کر دیئے ۔ تو کیا صرف اتنے پر وہ حاکم کے سامنے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں جو کچھ ہے اس کا موصی کو اقرار ہے ۔ امام مالک رح کے نزدیک یہ بھی جائز ہے اور امام بخاری رح کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے جس کی دلیل میں یہ روائتیں ذکر کی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمال وغیرہ کو خطوط لکھتے اور پہنچانے والوں کو خبر نہ دیتے ۔

نوٹ

خط خط کے مشابہ ہونا شاذ و نادر ہے اس لئے اس پر کلیۃ حکم کی بنا نہیں رکھی جاسکتی ہاں جہاں اشتباہ ہو وہاں عمل نہ کیا جائے مگر اس میں حدود و غیر حدود کا فرق نہیں کیونکہ شہادت میں اشتباہ ہونے کی صورت میں حدود و غیر حدود یکساں ہیں حنفیہ کا مذہب عجیب ہے کہ حدود کے معاملہ میں خط کا خط کے مشابہ ہونا ایک عام اصول بنا کر حدود کو ٹال دیا ہے ۔ اور قسامت میں جہاں بغیر مشاہدہ کے قسمیں کھائی جاتی ہیں وہاں قصاص ثابت کرتے ہیں ۔ هل هذا الا تهافت ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ضلع انبالہ ۲۲ شعبان ۱۳۵۹ ھ

ابوداؤد میں بعض ابواب اور احادیث میں موافقت

سوال ۲ امام ابوداؤد باب من لم یر الجهر ببسم اللہ الرحمن الرحیم میں حدیث انس بن مالک رض لائے ہیں ، جس کے الفاظ یہ ہیں ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنْزِلَتْ عَلَیَّ آنِفًا سُوْرَةٌ فَقَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ حَتّٰى خَتَمَهَا ۔ الحدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر ایک سورۃ اتاری گئی ہے پھر بسم اللہ پڑھ کر سورۃ انا اعطیناک الکوثر آخر تک پڑھی ۔ (ابوداؤد جلد ۱ صـ۱۰۱)

اس حدیث کو باب سے کیا مطابقت ہے عدم جہر بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ثبوت کیسے ہو سکتا ہے بلکہ اس حدیث سے تو ثبوت جہر بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے دوسرے امام ابوداؤد رح باب ما جاء من

جہر بہا میں حدیث عثمان بن عفان آئے گی اس سے بسم اللہ کا جہر ثابت نہیں ہوتا اگر بالفرض جہر کتابت بسم اللہ سے ثابت بھی ہو تو یا سر پر بھی اس سے استدلال ہو سکتا ہے یعنی بسم اللہ کے لکھنے سے بسم اللہ کا جہر پڑھنا لازم نہیں آتا کیونکہ لکھنا بطور تبرک تھا نہ کہ بطور جزئیت اگر جزء ہوتی تو اس کو جہرا پڑھتے۔ جیسے باقی اجزاء پڑھے۔ ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلہ جے پور

سوال ۲ امام ابو داؤد باب من جہر بہا میں لکھتے ہیں۔

قال ابو داؤد وقال الشعبي وابو مالك وقتادة وثابت بن عمارة ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يكتب بسم الله الرحمن الرحيم حتى نزلت سورة النمل هذا معناه۔

ابو داؤد نے کہا کہ شعبی رح۔ ابو مالک رح قتادہ رح اور ثابت بن عمارۃ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ نہیں لکھی یہاں تک کہ سورۃ نمل اتری۔

ان روایات مرسلہ سے جہر بسم اللہ فی الصلوٰۃ پر کیسے استدلال ہو سکتا ہے کما قلت فیما تقدم اور ھذا معناہ کس طرف اشارہ ہے —— دوسرے اس سے کتابت بسم اللہ فی المکتوبات والرسائل کا ثبوت۔ بعض کہ مکتوب ہونا بسم اللہ کا فی اول السور کیونکہ انفصال سور کا آپ کو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ جب تک بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ اتری تھی —— تیسرے یہ روایات مرسلہ بھی ہیں اس روایت کے جس میں آتا ہے کہ آپ صلعم کو فصل سورۃ از سورۃ قرآن معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ جب تک نزول بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ ہوتا۔ فافہم تدبر۔ ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلہ جے پور

جواب ۔ ابو داؤد یہ حدیث اس سے پہلی حدیثوں کا مطلب بتلانے کے لئے لائے ہیں پہلے دو حدیثیں ہیں ایک الفاظ یہ ہیں ان النبي صلى الله عليه وسلم وابا بكر وعمر وعثمان كانوا يفتتحون القرأة بالحمد لله رب العلمين یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر رضہ، عمر رضہ اور عثمان رضہ الحمد للہ رب العلمین سے قرأت شروع کرتے تھے۔

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفتتح الصلوٰة بالتكبير والقرأة بالحمد لله رب العلمين یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور قرأت الحمد للہ رب العلمین سے نماز شروع کرتے تھے یہ دونوں حدیثیں بظاہر ان لوگوں کی دلیل ہیں جو بسم اللہ جہر نہیں پڑھتے۔ ابو داؤد نے باب تو انہی کے مطابق باندھا ہے مگر ضمناً اصل مطلب کی طرف بھی

اشارہ کر دیا۔ وہ یوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر کہ مجھ پر ایک سورۃ اتاری گئی۔ سورۃ انا اعطینا بسم اللہ سے شروع کی جس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ بھی اس میں داخل ہے اس بنا پر ہر سورۃ کے شروع کی بسم اللہ اس سورۃ میں داخل ہو گئی جس میں فاتحہ بھی آجاتی ہے۔ پس الحمد للہ رب العلمین سے قرأت شروع کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ سورۃ الحمد للہ رب العلمین سے قرأت شروع کی اور سورۃ الحمد للہ رب العلمین میں بسم اللہ بھی داخل ہے پس اس کا پڑھنا بھی ثابت ہو گیا۔ چونکہ یہاں شبہ ہوتا ہے کہ انا اعطینا کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بسم اللہ اس میں داخل ہو ممکن ہے بطور تبرک پڑھی ہو۔ اس کا جواب اگرچہ یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ بطور تبرک پڑھنے کا کوئی قرینہ نہیں پھر سورۃ فاتحہ کے شروع میں بھی بسم اللہ بطور تبرک ضرور پڑھی ہوگی اور الحمد للہ رب العلمین سے قرأۃ شروع کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ بسم اللہ کے بعد کوئی اور سورۃ نہیں پڑھی بلکہ سورۃ الحمد للہ رب العلمین پڑھی

لیکن ابوداؤد حدیث کی کتاب ہے اس میں فقہی طرز پر حدیث کا بیان کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ مسائل کے متعلق روایات کا ذخیرہ کرنا مقصود ہے اس۔ لئے ابوداؤد نے اس کے بعد ایک روایت ذکر کی، جس میں ذکر ہے کہ حضرت عائشہؓ کی جب برأت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعوذ پڑھ کر آیت اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ پڑھی۔ اگر انا اعطینا کے شروع میں بسم اللہ بطور تبرک پڑھی ہوتی تو یہاں بھی پڑھتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع سورۃ میں بطور تبرک نہیں پڑھی۔ بلکہ اس لئے پڑھی کہ شروع سورۃ میں بسم اللہ ہے پس اس میں فاتحہ بھی آگئی۔

حدیث عثمان سے جو اس طرح ثابت ہوئی ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ مابین الدفتین قرآن مجید ہے اور بطور تبرک کہنا خلاف ظاہر ہے جو بغیر دلیل مسموع نہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ نمل کے اترنے تک بسم اللہ نہیں لکھی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ بعد میں لکھی ہے اگر بطور تبرک لکھتے تو پہلے بھی لکھتے پس جیسے نمل کی لکھی گئی اسی طرح شروع سورتوں کی لکھی گئی اور نمل کی تو بطور جزئیت کے ہے۔ پس شروع سورتوں کی بھی بطور جزئیت کے ہوگی۔ اور اس کے بعد ابوداؤدؒ نے ایک اور حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سورت کی دوسری

سورت سے جدائی نہیں پہچانتے تھے۔ یہاں تک کہ بسم اللہ اتاری گئی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ کتابت بطور تبرک کے نہیں کیونکہ دوسری سورت شروع ہونے کے وقت اس کا یا قاعدہ نزول ہوتا۔ جیسے قرآن مجید اترتا۔ پس قرآن مجید میں ہر سورت کے شروع میں اس کا لکھنا بطور جزئیت ہوا۔ اور جب لکھنا بطور جزئیت ہوا تو اس سے جہراً پڑھنا بھی ثابت ہوگیا۔ کیونکہ اصل یہی ہے۔ کہ جیسے باقی اجزاء جہراً پڑھے جاتے ہیں۔ ایسے ہی بسم اللہ پڑھی جانی چاہیئے۔ ہاں جہراً پڑھنا ضروری نہیں کیونکہ آہستہ پڑھنا بھی ثابت ہے مگر اس سے عدم جزئیت لازم نہیں آتی، دیکھئے ظہر عصر میں قرأت آہستہ ہوتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی آیت جہراً پڑھ دیتے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب قرأۃ الصلوٰۃ میں ہے پس جیسے کسی آیت کے جہراً پڑھنے سے عدم جزئیت لازم نہیں آتی اسی طرح آہستہ کو خیال کر لینا چاہیئے۔ اور آہستہ پڑھنے کی وجہ نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۹۷ ر ۹۸ میں بحوالہ فتح الباری وغیرہ یہ ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب بسم اللہ پڑھتے تو کفار استہزاء بولتے کہ یہ رحمان یمامہ کا ذکر کرتا ہے یعنی مسیلمہ کذاب کا کیونکہ اس نے اپنا نام رحمان رکھا ہوا تھا پس اس وقت سے بسم اللہ آہستہ پڑھنے کا ارشاد ہوگیا پھر اگرچہ آہستہ پڑھنے کی علت باقی نہ رہی مگر عملدرآمد اس پر باقی رہا۔ جیسے طواف بیت اللہ میں رمل باقی رہا یہ روایت طبری وغیرہ میں ہے اور مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں یہ نیل الاوطار کی عبارت کا خلاصہ ہے اس میں یہ جو کہا ہے کہ اس پر عملدرآمد باقی رہا۔ اس سے مراد اگر اکثر ہو یعنی اکثر ایسا ہوتا رہا۔ تو یہ تو صحیح ہوسکتا ہے اور اگر یہ مراد ہو کہ اس کے بعد جہر پر عمل بالکل نہیں ہوا تو یہ محل نظر ہے کیونکہ احادیث سے اس کے بعد بھی جہر کا ثبوت ملتا ہے تفصیل کے لئے نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۹۰ لغایت ۹۶ ملاحظہ ہو۔

ترتیب سُوَر توقیفی ہے یا غیر توقیفی

سوال: امام ابوداؤد روایت طویل عثمان میں نقل کرتے ہیں۔

وكانت الانفال من اول ما نزل عليه بالمدينة وكانت براءة من اخرها نزل من القرآن وكانت قصتها شبيهة بقصتها فظننت انها منها فمن ذالك وضعتها في

السبع الطوال ولم اكتب بينهما سطر بسم الله الرحمن الرحيم (ابوداؤد جلد ا باب ما جاء من جهر بها) سورۃ انفال اس حصے میں سے تھی، جو حضور پر مدینہ میں پہلے نازل ہوا اور سورۃ براۃ (توبہ) قرآن مجید کے اس حصہ میں تھی۔ جو آخر میں نازل ہوا چونکہ ان دونوں سورتوں کا مضمون آپس میں ملتا تھا۔ لہٰذا میں نے ان دونوں کو ایک سمجھ کر سورۃ انفال کو سبع طوال میں رکھا اور ان دونوں سورتوں کا مضمون آپس میں ملتا تھا۔ لہٰذا میں نے ان دونوں کو ایک سمجھ کر سورۃ انفال کو سبع طوال میں رکھا اور ان دونوں کے درمیان بسم اللہ بھی نہیں لکھی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ روایت سنداً قابل حجت ہے یا نہیں؟ اس روایت میں ترتیب سور کا غیر توقیفی ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ ترتیب آیات و سور توقیفی ہیں اور قرآن مجید بحیثیت کذائی ما فی الدفتین زمانہ نبوی میں مرتب ہو چکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سالانہ بہمراہ جبرئیل دور فرمایا کرتے تھے اور بہت سے صحابہؓ اس کے حافظ تھے۔ اور وہ اسی موجود ترتیب سُوَر کے حافظ تھے۔ دوسرے یہ حدیث معارض بھی ہے اس حدیث کے جس کے الفاظ یہ ہیں قال اوس سالت اصحابه كيف تحزبون القرآن قالو ثلاث وخمس وسبع وتسع واحدى عشرة وثلث عشرة وحزب المفصل وحده (ابوداؤد باب تحزيب القرآن) تین سورتیں فاتحہ سے مائدہ تک گویہ چار سورتیں ہوتی ہیں اس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر استغناءً نہیں کیا اس لئے کہ وہ ام القرآن و مستقل قرآن ہے اور مشہور ہے۔ پانچ سورتیں مائدہ سے یونس تک سات سورتیں یونس سے بنی اسرائیل تک نو سورتیں بنی اسرائیل سے شعراء تک گیارہ سورتیں شعراء سے والصافات تک تیرہ سورتیں والصافات سے سورۃ قاف تک اور مفصل سورتیں سورۃ ق سے آخر قرآن تک اس روایت سے قرآن پاک کی آٹھ منزلیں ثابت ہو گئیں یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ سورتوں کی ترتیب جیسے اب ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی اور حضرت عثمان والی حدیث دلالت کرتی ہے کہ بعض سورتوں کی ترتیب اجتہاد سے ہے اس کی وضاحت فرمائیے۔

جواب : عون المعبود میں ہے،

یعنی منذری کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے ہم نہیں جانتے کہ عوف کے سوا یزید فارسی سے جو ابن عباس رضہ سے روایت کرتا ہے کسی نے

اس کو روایت کیا ہو اور یزید فارسی نے ابنِ عباس رضؓ سے کئی احادیث روایت کی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ یزید بن ہرمز ہے اور یہ بات جو ترمذی نے ذکر کی ہے یہی امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اور امام احمد بن حنبل رحؒ نے کہی ہے اور ان دونوں کے غیر نے کہا ہے کہ یہ دو ہیں اور فارسی ابن ہرمز کا غیر ہے اور ابنِ ہرمز ثقہ ہے اور فارسی کے ساتھ بھی کوئی ڈر نہیں۔ تقریب التہذیب میں ہے۔ یزید بن ھرمز المدنی مولی بنی لیث وھو غیر یزید الفارسی علی الصحیح وھو والد عبداللہ ثقۃ مات علی رأس المائۃ۔ یزید بن ہرمز مدنی مولی بنی لیث اور صحیح یہ ہے کہ وہ یزید فارسی کا غیر ہے۔ اور وہ عبداللہ کا والد ہے ثقہ ہے پہلی صدی کے اخیر فوت ہوا۔ تقریب التہذیب کے اسی صفحہ پر آگے جا کر لکھا ہے۔ یزید الفارسی البصری مقبول من الرابعۃ یزید فارسی بصری مقبول ہے چوتھے طبقہ سے ہے۔ یزید بن ہرمز کی روایت پر مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی اور نسائی کا نشان ہے اور یزید فارسی پر ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائیؒ کا نشان ہے۔

اس تفصیل سے یزید فارسی کی حقیقت واضح ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ وہ مجہول نہیں اور اس کی حدیث حسن ہے اور تلخیص ذہبی میں اس کو مسلم کی طرف نسبت کرنا بالکلیہ غلط نہیں بلکہ یہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی اور احمد بن حنبل رحؒ کے قول کی بناء پر ہے ہاں بخاری کی طرف نسبت بیشک غلط ہے پس جب اس کی حدیث حسن ہوئی تو اب اس کو رد کرنا ٹھیک نہیں اور آپ نے باب تحزیب القرآن کے حوالہ سے جو حدیث ذکر کی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں بلکہ صحابہ رضؓ سے ہے اور صحابہ رضؓ کے زمانہ میں ترتیب سُوَر ہو گئی تھی۔ مگر ایک نہ تھی۔ حضرت عثمان کی الگ تھی۔ عبداللہ بن مسعود رضؓ وغیرہ کی الگ، آپ کی پیش کردہ حدیث میں ترتیب عثمانی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسے نماز میں مقدم و مؤخر پڑھنا ثابت ہے اسی طرح جبرئیل علیہ السلام سے دور کے وقت ہوتا ہو گا۔ اور جو لکھا ہوا تھا۔ وہ کتابی صورت میں نہیں تھا۔ بلکہ چمڑوں تختیوں، شانوں کی ہڈیوں وغیرہ پر تھا۔ جو محفوظ تو رہ سکتا ہے لیکن ترتیب اس کی کچھ نہیں رہ سکتی یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو وقت پیش آئی ورنہ معاملہ سہل تھا۔ ترمذی کے ایک مقام کا حل ہے

سہو کے وقت نماز میں کلام کا کیا حکم ہے

سوال ۔ امام ترمذی رح باب ماجاء فی الرجل یسلم فی الرکعتین من الظہر والعصر میں لکھتے ہیں۔ کہ امام احمد رح نے ابو ہریرہ رض کی حدیث میں کہا ہے کہ امام نماز میں کلام کرے اور اس کا خیال ہے کہ نماز اس نے پوری کمل کی ہے یا پھر معلوم ہوا کہ پوری نہیں کی تو وہ امام بقیہ نماز پوری کرے اور جو مقتدی کلام کرے اور وہ جانتا ہو کہ کچھ نماز باقی ہے تو وہ نئے سرے سے نماز پڑھے اور دلیل یہ دی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فرائض میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی اس وجہ سے ذوالیدین نے جب کلام کی تو اس کو یقین تھا۔ کہ نماز پوری ہو چکی اب اس طرح سے کوئی کلام نہیں کر سکتا۔ جیسے ذوالیدین نے کی ہے کیونکہ اب فرائض میں کمی بیشی نہیں ہوگی

میں کہتا ہوں کہ امام احمد رح کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں ؟ میرے خیال میں یہ قول کمزور ہے اور اس پر احادیث صحیحہ سے کوئی دلیل نہیں اور اس میں کئی طرح سے کلام ہے اوّل یہ کہ مقتدی کے فرق پر کوئی دلیل نہیں۔ یہ امام احمد رح کا محض اجتہاد ہے کیونکہ ذوالیدین کو نماز کی کمی بیشی میں تردد تھا۔ اس لئے اس نے کہا۔ یا رسول اللہ! کیا نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے پس اس کو نماز کے پورا ہونے کا یقین نہ ہوا۔ اگر پورا ہونے کا یقین ہوتا تو یہ سوال نہ کرتا۔ کہ نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے۔

دوم مقتدی امام کے تابع ہوتا ہے اور اپنی نماز میں مستقل نہیں پس جب امام بھول جاتے اور اس پر سہو ہو تو مقتدی پر بھی سہو ہو گا۔ خواہ مقتدی کو علم ہو کہ نماز پوری نہیں ہوئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ رض نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے۔ نئے سرے سے نماز نہیں پڑھی بلکہ اپنے امام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع رہے اگرچہ بعض کو یقین تھا۔ کہ نماز پوری نہیں ہوئی سوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل امت کے لئے شریعت زمانہ نبوت کے ساتھ اس کی خصوصیت ہوتی، تو ہمارے لئے بیان کر دیتے اور جب بیان نہیں کیا تو خصوصیت نہ رہی۔ ترمذی میں یہ مقام قابل حل تھا میں نے کسی شرح میں اس کا حل نہیں دیکھا۔ آپ اس کو با دلیل حل کریں۔

ابو محمد عبد الجبار مدرس مدرسہ مصباح العلوم کھنڈیلہ جے پور

جواب ۔ آپ نے امام احمد رح کے قول پر تین اعتراض کئے ہیں وہ تینوں کمزور ہیں۔

اوّل۔ اس لئے کہ امام احمد رح کی مراد یقین سے یہ نہیں کہ خلاف کا کمزور سا وہم بھی نہ ہے بلکہ عام مراد ہے جو قوی ظن کو بھی شامل ہے۔ جیسے عام محاورہ میں کہتے ہیں کہ مجھے اس بات کا یقین ہے شک

نہیں گویا یقین کو شک کے مقابلہ میں استعمال کرتے ہیں اور ایسا یقین سوال سے مانع نہیں کیونکہ سوال کمزور سے وہم کی بناء پر بھی ہو سکتا ہے۔

دوسرا اعتراض اس لئے کمزور ہے کہ مقتدی امام کے سہو میں امام کے تابع ہے جو الگ غلطی کرے جس سے نماز فسخ ہوتی ہے اس میں امام کے تابع ہونے کے کیا معنی؟ مثلاً کسی کے سلام کا جواب دیدے یا کسی آنے والے کو بتا دے کہ اتنی رکعتیں ہو چکی ہیں تو مقتدی کی نماز فسخ ہو جائے گی۔ امام پر اس کا کوئی اثر نہیں ٹھیک اسی طرح امام کے سہو کے تحت مقتدی کا کلام کرنا ہے۔ تیسرا اعتراض اس لئے کمزور ہے کہ حکم علت کے تابع رہتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ کلام نماز کے منافی ہے جس صورت میں اس کا جواز ثابت ہوا اس سے تجاوز جائز نہیں۔ امام احمدؒ کے نزدیک ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی حدیث سے صرف اسی صورت سے کلام ثابت ہوتی ہے کہ مقتدی کو یقین ہو کہ نماز پوری ہو چکی یہ صورت مقتدی کے حق میں زمانہ نبوت کے بعد پیدا نہیں ہوئی۔ اس لئے مقتدی کے حق میں یہ حکم زمانہ نبوت تک محدود اور امام کے حق میں یہ صورت بعد بھی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اس کے حق میں یہ حکم اب بھی باقی ہے بہر صورت حکم علت کے تابع ہوتا ہے —— جس کے حق میں زمانہ نبوت تک محدود رہی اس کے حق میں حکم بھی زمانہ نبوت تک محدود رہا۔ اور جس کے حق میں علت بعد بھی رہی۔ اس کے حق میں حکم بھی بعد رہا۔ یہ تو ہوئی آپ کے اعتراضات کی حقیقت رہا نفس مسئلہ سو آپ کا صحیح ہے امام احمد بن حنبلؒ کا قول ٹھیک نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز کم ہوئی ہے تو اس وقت ذوالیدین نے کہا بَلٰی قَدْ نَسِیْتَ کیوں نہیں بے شک آپ بھول گئے ہیں۔ حالانکہ ذوالیدین کو اس وقت قطعاً یقین ہو گیا تھا۔ کہ نماز پوری نہیں ہوئی مگر باوجود اس کے ذوالیدین نے کلام کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام مقتدی میں امام احمدؒ نے جو تفریق کی ہے صحیح نہیں بلکہ نماز پوری ہونے کا یقین تو کجا کمی کا یقین ہو تو بھی کلام ہو سکتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمدؒ کو یہ روایت بَلٰی قَدْ نَسِیْتَ نہیں پہنچی یا یہ قول پہلے کا ہوگا۔

واللہ اعلم۔

عبداللہ امرتسری روپڑی نبالہ

مورخہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ

امام بخاری رحؒ امام مسلم رحؒ وغیرہم کی تحقیق کو ائمہ اربعہ کے اجتہاد پر ترجیح کی وجہ

سوال ۔ اہل حدیث باوجود کسی کی تقلید نہ کرنے کے محدثین امام بخاری رحؒ امام مسلم رحؒ وغیرہم کی تحقیقات کو اجتہاد ائمہ اربعہ رحؒ کے اجتہاد پر کیوں ترجیح دیتے ہیں؟ کیا یہ تقلید نہیں؟

جواب ۔ اہل حدیث بخاری ومسلم کے اجتہاد کو آئمہ اربعہ کے اجتہاد پر ترجیح نہیں دیتے بلکہ دلیل کے تابع ہیں مثلاً ایک مجلس کی تین طلاق میں بہت سے اہلحدیث بخاری وغیرہ کے خلاف ہیں اس لئے ہم نے تعریف اہل سنت کے صؔ کے حاشیہ میں اس مسئلہ کو صاف کردیا ہے۔ کہ محدثین صحاح ستہ کے اجتہاد کو ائمہ کے اجتہاد پر ترجیح نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

سوال ۔ احناف کے فقہاء محدثین مثل عینی وطحاوی وابن الہمام کی تحقیقات حدیثیہ کو اہل حدیث کیوں تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ یہ فقہاء بھی حدیث کی تصحیح وتضعیف بطریق محدثین کرتے ہیں؟

جواب ۔ عینی تو کچھ متعصب ہیں چنانچہ مولوی عبدالحیؒ صاحب لکھنوی رحؒ نے فوائد البہیہ میں لکھا ہے۔ طحاوی رحؒ اور ابن ہمام رحؒ بھی مذہب کی خاطر تاویلات کر جاتے ہیں صحت میں قواعد محدثین سے نکل جاتے ہیں۔ چنانچہ ابن الہمام بخاری ومسلم کی احادیث کو باقی کتب کی احادیث صحاح پر ترجیح نہیں دیتے اس لئے محدثین کرام کے مقابلہ میں ان کی تحقیق معتبر نہیں ہاں تائیداً کام دے سکتی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

وَعَلَيْهِ عَمَلُ اَهْلِ الْعِلْمِ

سوال ۔ امام ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں۔ وَعَلَيْهِ عَمَلُ اَهْلِ الْعِلْمِ اس سے کون اہل علم مراد ہیں سلف امت یا تابعین رحؒ اور مقصود اس سے امام ترمذی رحؒ کا اس قول سے کیا ہے جلال الدین تعقبات علی الموضوعات میں لکھتے ہیں قلت الحدیث اخرجہ الترمذی وقال حسن صحیح احمد وغیرہ والعمل علی ھذا الحدیث عند اھل العلم فاشار بذالک الی ان الحدیث اعتضد بقول اھل العلم وقد صرح غیر

فاحدبان من دلیل صحۃ الحدیث قول اھل العلم بہ وان لم یکن لہ اسناد یعتمد علیہ
اس قول سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو حدیث ضعیف الاسناد ہو وہ معمول بہ ہونے کی وجہ سے صحیح اور قابل عمل ہے لیکن اہل حدیث مطلق ضعیف کو قابل عمل نہیں ٹھہراتے گو اس پر اہل علم کا عمل ہو

جواب ۔ اہل علم سے صحابہؓ و تابعین وغیرہ مراد ہیں چنانچہ امام ترمذی کئی جگہ تصریح کر دیتے ہیں۔ امام ترمذی والعمل علی ھذا عند اھل العلم کہتے ہیں اگر اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہو تو پھر حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں، اگر اختلاف ہو تو کچھ تقویت پہنچ جاتی ہے بشرطیکہ اس حدیث کے مقابل کوئی حدیث نہ ہو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

بخاری میں باب کی سُرخی

سوال ۔ کتب حدیث میں امام بخاری وغیرہ ترجمۃ الباب کے تحت صرف لفظ باب لکھ دیتے ہیں، تو اس سے ان کا کیا مقصد ہوتا ہے۔ آیا یہ کہ مفصل ہوتا ہے یا اس میں کسی مقدر کلام کی ضرورت ہے مولوی محمود الحسن دیوبندی مرحوم نے قدرے کلام اس پر کیا ہے۔ آپ اپنی تحقیق انیق سے مطلع فرمائیں۔

جواب ۔ صرف باب میں اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ یہ باب پہلے باب سے بمنزلہ فصل کے ہوتا ہے کسی خاص بات پر تنبیہ کرنی مقصود ہوتی ہے پہلے باب کا مسئلہ ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ چنانچہ اکثر حالت یہی ہے دوسری وجہ یہ کہ اس باب کی احادیث سے بھی پہلے باب کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے مگر کسی خاص بات کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے جیسے بَابُ عَلَامَۃِ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ میں باب کا عنوان اس طرح کا ہے اس میں لیلۃ العقبہ کی بیعت کا ذکر ہے اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ انصار کا نام اس وقت سے انصار ہوا یہ وہ خاص بات ہے جس کے لئے الگ عنوان قائم کیا ہے اور جب یہ ان کا نام ہو گیا یہاں تک قرآن میں بھی اسی نام سے موسوم ہوئے تو لامحالہ انصار کی محبت علامت ایمان ہو گئی اس سے اصل باب کا مسئلہ بھی ثابت ہو گیا۔ اور ان بات پر بیعت جن عورتوں سے لی ہے اس کا ذکر بھی اس باب میں ہے اور یہ حدیبیہ کے بعد ہوئی ہے۔ یہ ان کے انصار ہونے کی تائید ہے۔

کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جیسا موقع ہوتا ویسی بیعت کے لئے تیار رہتے یا جس قسم کی بیعت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے حاضر ہوجاتے گویا لیلۃ العقبہ کی بیعت کا پورا ایفاء ہے اس کے علاوہ اصل مسئلہ یہاں ایمان کا ہے۔ اس کے مباحث سے اس کو دو طرح سے تعلق ہے ایک یہ کہ اجتناب مناہی ایمان سے ہیں۔

دوم۔ اس شخص پر رد ہے جو کہتا ہے۔ کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے۔ بخاری رح کی نظر نہایت باریک ہے ہر ایک اس کو نہیں پہنچتا۔ اس کا ذکر میں نے کچھ جواب الفصل الخطاب کے صفحہ ۹۹ میں بھی کیا ہے۔ اس لئے مشہور ہے فقہ البخاری۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

وسیلہ

سوال اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ سے مراد بُت ہیں جیسا کہ تفسیر موضح القرآن میں لفظ تدعون یا یعبدون سے مراد بت لیا گیا ہے اس لئے بتوں اور جنوں کو پکارنا منع ہے بندوں کو پکارنا منع نہیں۔

دوسرا یہ کہ من دون اللہ کے معنی اللہ کے مقابل ہے۔ خدا سمجھ کر پکارنا منع ہے ویسے پکارنا منع نہیں اگر انسان کو پکارنا منع ہوتا تو جب انسان دوسرے کو آواز دیتے اور پکارتے ہیں تو وہ بھی منع ہوتا۔ ایسا کہنے والے حق پر ہیں یا نہیں اس کی وضاحت فرمائیں۔

عبدالرحمٰن خندر کوٹ

جواب: پندرہ پارہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ یعنی یہ لوگ جن کو یہ کفار لوگ پکارتے ہیں خدا کی طرف قرب کے متلاشی ہیں۔ اس آیت میں بندوں کو پکارنے کا ذکر ہے جس سے خدا نے منع فرمایا ہے۔ اور من دون اللہ کے معنی مقابلہ کے نہیں بلکہ سوا کے ہیں پس اللہ کے سوا بندوں کو پکارنا منع ہوا باقی خدا سمجھ کر تو وہ مشرکین مکہ بھی نہیں پکارتے تھے بلکہ سفارشی سمجھ کر پکارتے تھے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ ویقولون ھٰؤلاء شفعاؤنا عند اللہ یہ اللہ کے پاس ہمارے لئے سفارشی ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ حج کے موقعہ پر وہ کہتے لبیک

لبیک لا شریک لک، لبیک الا شریکا تملکہ و ما ملک

یعنی اے اللہ! ہم تیری خدمت میں حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسا شریک کہ تو اس کا مالک ہے وہ کسی چیز کا مالک نہیں رہا ہمارا آپس میں پکارنا ایسا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی حیاتی میں اپنے خادموں کو پکارتے تھے وفات کے بعد نہیں پکارتے تھے سو ایسا ہی ہمیں کرنا چاہیے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

صفات الٰہی کا مسئلہ

سوال۔ "اِنَّ اللہ خَلَقَ اٰدَمَ عَلیٰ صُوْرَتِہٖ" اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟

جواب۔ جب انسان کسی شے کو دور سے دیکھتا ہے تو اس کے متعلق اس کی ایک رائے قائم نہیں ہوتی کبھی اس کو بکری خیال کرتا ہے کبھی اونٹ، کبھی درخت وغیرہ جبلا جو شے بالکلیہ غائب اور آنکھوں سے محجوب ہو اس کے متعلق انسان ایک رائے کس طرح قائم کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ذات وصفات الٰہی کے سلسلہ میں لوگ حیران وسرگردان رہتے ہیں کیونکہ ذات الٰہی سامنے ہے نہ صفات اسی قسم سے حدیث مذکورہ بالا ہے اس میں آدم کی پیدائش خدا کی صورت پر بتلائی ہے حالانکہ قرآن مجید میں ہے۔

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْر۔

یعنی خدا کی مثل کوئی شے نہیں، اگر حدیث میں کچھ کلام ہوتی تو وہ رد کی جاتی۔ مگر حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح اور متفق علیہ ہے۔ بخاری ومسلم دونوں نے روایت کیا ہے گمراہ فرقوں کا اصول تو ایسے موقعوں پر یہ ہے کہ جو حدیث قرآن مجید کے خلاف ہو وہ مردود ہے مگر ہمارا اصول یہ ہے کہ صحیح حدیث قرآن مجید کے خلاف نہیں ہو سکتی ہاں اپنے فہم سے کوئی قرآن مجید کے خلاف بنا لے تو اس کی مرضی۔ اسی وجہ سے وہ گمراہ کہلائے کہ اس اصول کی آڑ میں اپنے فہم سے انہوں نے صحیح احادیث کو رد کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اگر بظاہر مخالفت دیکھ کر صحیح احادیث کو رد کرنا شروع کر دیں تو کبھی بظاہر قرآن مجید کی آیات بھی مخالفت ہوتی ہیں تو اذا اتفا رتقا تنا فقطا کے اصول کے تحت معاذ اللہ آیات بھی رد ہو جائیں گی پس یہ اصول بالکل غلط ہے کہ آیات کے مابین یا آیات

یا صحیح احادیث کے مابین تعارض ہو تو اُن بے سمجھی سے تعارض معلوم ہو تو کسی عالم کے حوالے کر دے چنانچہ حدیث مذکور میں علماء نے توجیہات کی ہیں مگر ان کے بیان سے پہلے حدیث کے پورے الفاظ بیان کئے دیتے ہیں:

یہ حدیث مشکوٰۃ باب مالا یضمن من الجنایات کی فصل اوّل میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاتَلَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْیَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ۔

یعنی جب تم سے کوئی لڑ پڑے تو منہ پر مارنے سے بچے کیونکہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر یا آدم کی صورت پر پیدا کیا۔

توجیہات

۱۔ خدا نے آدم کو آدم کی صورت پر پیدا کیا۔ یعنی آدم کی صورت جو ابتدا آفرینش میں تھی وہی مرتے دم تک رہی اس میں تغیر نہیں ہوا پس انسان کو اس صورت کی حفاظت کرنی چاہیئے ایسا نہ ہو کہ منہ پر مارنے سے بگڑ جائے۔

۲۔ صورت سے مراد شکل نہیں بلکہ حالت ہے اور مطلب یہ ہے کہ خدا نے آدم کو ایسے حال پر پیدا کیا ہے۔ کہ وہ آدم ہی کے ساتھ مختص ہے جو کسی اور نوع میں نہیں پایا جاتا مثلاً انسان کئی حالتیں بدلتا ہے اور کئی پلٹے کھاتا ہے کبھی کمال پاتا ہے کبھی نقصان، کبھی ترقی کی راہ اختیار کرتا ہے کبھی تنزل کی طرف جاتا ہے اپنے اختیاری غیر اختیاری افعال و اعمال کی بناء پر مختلف رنگ بدلتا ہوا آخر جنت و دوزخ کی صورت میں رحمت الٰہی و غضب الٰہی کا مورد ہو جاتا ہے ۔

نگاہ او بہ تماشائے این کف خاک است

پس صفات الٰہی کے مظہر اتم ہونے کی وجہ سے اس کی قدر کرتے ہوئے اس کے منہ پر نہ مارنا چاہیئے۔

۳۔ آدم کو خدا نے اپنی ایک نرالی صورت پر پیدا کیا ہے جس کی مثال نہ پہلے ہوئی ہے نہ بعد

باقی مخلوقات سے ہر ایک کی مثال اور شبہ ہے آدم کی مثال اور شبہ نہیں جب خدا نے ایسی خاص صورت اس کو بخشی ہے تو اس کے منہ پر نہ مارنا چاہیئے تاکہ اس کی خصوصیت قائم رہے۔

۴۔ بعض روائتوں میں ہے کہ ایک شخص اپنے بھائی کے منہ پر مار رہا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پر مارنے سے اس کو منع کیا۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی، کہ آدم کو خدا نے اس کی صورت پر پیدا کیا ہے جس کو تو مار رہا ہے۔ یعنی جب آدم کی یہی صورت ہے تو اس کی توہین نہ چاہیئے۔ اگرچہ باقی اعضاء بھی آدم کی طرح ہیں مگر منہ خوبیوں کا جامع ہے اس لئے اس کی خاص قدر کرنی چاہیئے۔

۵۔ خدا نے آدم کی صورت کو اپنی صورت اس لئے کہا ہے کہ یہ صورت خدا کے نزدیک بڑا شرف رکھتی ہے اور خدا کے نزدیک اس کی بڑی قدر اور عزت ہے، جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کہتے ہیں یعنی ان میں وہ روح ڈالی گئی ہے جس کی خدا کے نزدیک بڑی قدر و منزلت تھی۔ اسی طرح بیت اللہ، اللہ کا گھر کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ خدا اس کے اندر آباد ہے بلکہ محض بزرگی ظاہر کرنے کے لئے یہ نسبت کی گئی ہے۔ اسی طرح ناقۃ اللہ کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ خدا اس پر سوار ہوتا ہے بلکہ یہ نسبت بھی محض شرافت و بزرگی کے لئے ہے اس طرح اہل اللہ (اللہ والے) اس قسم کی نسبتیں بہت آتی ہیں۔ پس اس طرح آدم کی صورت کو شرافت کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی طرف نسبت کیا جب اس کی شرافت اللہ کے نزدیک اتنی بڑی ہے، کہ یہ خدا کی طرف نسبت کے لائق ہے تو پھر اس جگہ مارنا ٹھیک نہیں۔

(۶)۔ خدا کی صورت پر ہونا ایک تو اس طرح سے ہے کہ حقیقۃً آدم کی صورت خدا کی ہو یہ تو محال ہے دوم یہ کہ الفاظ ہی بولے جائیں اور مراد خدا کے سپرد کر دی جائے۔ کہ بندہ کے لئے بھی چہرہ ہے اور خدا کے لئے بھی چہرہ ہے بندہ کی بھی آنکھیں ہیں خدا کی بھی آنکھیں ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

بس اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہا جائے اس سے بھی آدم کی صورت کی شرافت سمجھی جاتی ہے کیونکہ جب الفاظ یہی بولتے ہوئے اس کو خدا کی طرف نسبت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کو کسی خاص قسم کی شرافت حاصل ہے اس کو مارنے سے بچانا چاہیئے۔

عارف اس صورت کدہ میں ہیں ہزاراں صورتیں
صورتِ انساں جیسی ایک بھی صورت نہیں

تنبیہ

بعض روایتوں میں صورۃ الرحمٰن آیا ہے یعنی آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے اس کے متعلق علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ حدیث کا اصل لفظ صورتہ ہے مگر راوی نے یہ سمجھا کہ ضمیر خدا کی طرف لوٹتی ہے۔ اس بناء پر اس نے کبھی صورۃ کی جگہ صورۃ الرحمٰن کہہ دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ صورۃ رحمٰن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایک مسئلہ کو کئی کئی دفعہ بیان کرنے کا اتفاق پڑتا۔ اس لئے کبھی کسی لفظ سے بیان کر دیا، کبھی کسی لفظ سے۔

اگر پہلا قول لیا جائے تو چھ صورتیں بن سکتی ہیں کیونکہ جب حدیث کے اصل لفظ صورتہ ہیں تو ہو سکتا ہے ضمیر خدا کی طرف پھرے جیسے راوی نے سمجھا ہے اور ہو سکتا ہے کہ آدم کی طرف پھرے یا مضروب (جس کو مارا گیا) کی طرف پھرے۔ اگر دوسرا قول لیا جائے تو پھر پہلی، دوسری، چوتھی توجیہ نہیں بن سکتی۔ کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صورۃ الرحمٰن فرمایا ہے تو پھر صورتہ میں ضمیر کا مرجع صراحتہ معلوم ہو گیا۔ پس اب اس ضمیر کو آدم کی طرف یا مضروب کی طرف لوٹانا ٹھیک نہیں۔ میرے خیال میں دوسرا قول راجح ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ راوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ بلا وجہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ راوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اپنی سمجھ کے مطابق بنا لئے۔ اس پر کیا دلیل ہے۔ کہ اس حدیث میں راوی نے اپنے فہم کو دخل دیکر الفاظ کو بدل دیا ہے۔ بلا دلیل راوی پر الزام ٹھیک نہیں۔

میرے خیال میں سب توجیہات سے اخیر کی ترجیح راجح ہے کیونکہ اس میں مراد خدا کے سپرد کر دی گئی ہے۔ جس میں امن اور سلامتی ہے صفات کے معاملہ میں اسی میں احتیاط ہے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

تمت بالخیر

بار: دوم
ربیع الاول: ۱۴۰۴ھ دسمبر ۱۹۸۳ء
(حقوق طبع ہذا الفتاوی محفوظۃ للمرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرتب فتاویٰ اہلحدیث
کی
زندگی کے مختصر حالات

استاذِ مکرم مولانا ابو السلام محمد صدیق بن عبد العزیز مدظلہ العالی مشرقی پنجاب کے ضلع فیروزپور میں ایک گاؤں فیروز وال کے ایک دینی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں ۱۹۱۵ء یا ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے اپنے گاؤں کے امام صاحب سے ناظرہ قرآن مجید پڑھا. علاقہ کے مشہور ڈی بی سکول میں مڈل تک تعلیم حاصل کی. پھر دینی علوم کے لئے جید علماء کی طرف رجوع کیا چنانچہ مولانا صدر الدین غالبوی بحر العلوم حافظ عبد اللہ محدث روپڑی. شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ. شیخ الحدیث مولانا سید مولا بخش کومویؒ اور حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی. مولانا حافظ محمد حسین ایسے علماء فحول سے اکتساب علم کیا بلکہ فکری اعتبار سے سب سے زیادہ محدث روپڑیؒ سے متاثر ہوئے. قیام پاکستان سے قبل لدھیانہ میں مقیم ہو گئے تھے ۱۹۴۳ء سے لے کر تقسیم ہند تک دار الحدیث لدھیانہ میں تدریس حدیث اور جامع اہلحدیث میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے. قیام پاکستان کے بعد اپنے اہل و عیال، والدین اور دیگر اعزہ و اقربا کے ساتھ سرگودھا چلے آئے اور مستقل طور پر یہیں مقیم ہو کر علم کی خدمت میں مصروف ہو گئے. آجکل "جامعہ علمیہ" سرگودھا کے رئیس الجامعہ ہیں. تدریس حدیث کے علاوہ تصنیف و تالیف میں مشغول ہیں. ایک دینی ادارے "احیاء السنۃ النبویہ" کا انتظام بھی انہی کے سپرد ہے. اس ادارہ نے بہت سی کتابوں کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے جن میں مفتاح الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ. بلوغ المرام مع حاشیہ سید احمد حسنؒ اور فتاویٰ اہلحدیث محدث روپڑی وغیرہ بہت مشہور ہیں. صدر ضیاء الحق کی حکومت کے تحت دینی مدارس کی تنظیم کے سلسلہ میں قومی کمیٹی برائے دینی مدارس میں اہلحدیث مسلک کی نمائندگی کے لئے رکن نامزد ہوئے اور نہایت زوردار طریقہ سے اپنا مؤقف پیش کیا.

مسلک اور علمی مرتبہ

آپ خالص سلفی مسلک کے حامل ہیں اور عمر بھر سے اسی مسلک کی اشاعت کے لیے کوشاں ہیں۔ ان کی تگ و دو کا نقطۂ ارتکاز مسلک اہلحدیث ہے ہم نے سابقہ سطور میں عرض کیا ہے کہ آپ منہاج فکر میں حضرت حافظ عبداللہ روپڑیؒ سے بے حد متاثر ہیں۔ ان کے رشحات فکر، فقہی استنباط پر بحر العلوم حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ کی چھاپ ہے استاذ محترم علم وراثت میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ وراثت کے مشکل سے مشکل مسئلہ کو آسانی سے حل کر دیتے ہیں۔ وراثت کے مسائل میں ان کو نہ صرف اہلحدیث حضرات میں سند تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات حنفی حضرات یا عدالتوں کی طرف سے بھی استفتاء آجاتا ہے۔ ان کے طرز استدلال میں تو جو کہ مسلک اہلحدیث کا خاصہ ہے اور استنباط میں گہرائی پائی جاتی ہے قلم میں زور بیان اور اعتدال ہے اور تحریر تیزی اور شدت سے پاک ہے۔

تصنیفات

یوں تو آپ نے اب تک چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں لکھی ہیں جو عقائد حدیث اور فقہ پر مشتمل ہیں۔ لیکن ہماری نظر میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ بحر العلوم حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ کے فتاوی کی تدوین ہے اور ان فتاویٰ کو مدون کر کے مسلک سلفی کی ایک بڑی خدمت سر انجام دی ہے۔ ان فتاویٰ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ حضرت محدث روپڑیؒ کی فکری منہاج۔ طرز استدلال اور اسلوب واضح طور پر علماء کے سامنے آ گئے۔ ان فتاویٰ کی صورت میں محدث روپڑی کا نام قیامت تک کے لئے زندہ رہے گا۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں اوصاف سلمان۔ راہ سنت۔ وراثت اسلامیہ۔ اسوۂ سید الکونینؐ اردو ترجمہ جزء رفع الیدین، امام بخاریؒ۔ المعراج۔ جمع بین الصلاتین۔ دائمی اوقات خیر الکلام حج و عمرہ عشر و زکوٰۃ تعلیم الاحکام ترجمہ و شرح بلوغ المرام مشہور ہیں۔

طیب شاہین لودھی عفی عنہ
لیکچرار ادبیات عربی
گورنمنٹ کالج شاہ پور صدر

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
ابوداؤد میں بعض ابواب واحادیث میں موافقت	۷۲۸	بخاری میں باب کی سرخی	۷۳۵
ترتیب سور توقیفی ہے یا غیر توقیفی	۷۳۱	وسیلہ	۷۳۷
سہو کے وقت نماز میں کلام کا کیا حکم ہے	۷۳۳	صفات الٰہی کا مسئلہ	۷۳۹
وَعَلَيْهِ عَمَلُ اَهْلِ الْعِلْمِ	۷۳۰	مرتب فتاوی اہلحدیث کی زندگی کے مختصر حالات	۷۴۳

عرض مرتب

فتاویٰ اہلحدیث کی یہ تیسری اور آخری جلد ہے اس مجموعہ ہائے فتاوی کی ترتیب و تدوین کے اس اہم کام کا ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ کو خدائے وحدہٗ لاشریک کے بھروسہ پر آغاز کیا گیا تھا۔ چنانچہ بحمد اللہ آج مورخہ ۲۰ رجب ۱۳۹۷ھ کو اسی کے فضل و کرم اور تائید و توفیق سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ وما توفیقی الا باللہ

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت محدث روپڑی رحمہ اللہ کے علمی مرتبہ سے جو لوگ آشنا ہیں وہ میری اس حقیر محنت کی ضرورت و اہمیت کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں کیونکہ حضرت محدث رحمہ اللہ کے گرانقدر علمی خزانوں کو اگر طاقِ نسیاں کی نذر رکھا جاتا تو یہ مرحوم و مغفور کے ساتھ اور ان کی عمر بھر کی علمی کاوشوں اور علمی گوہر ہائے گراں مایہ کے ساتھ بے رخی اور بے اعتنائی کا باعث ہوتی اور فیضانِ دین کے اس سلسلہ کو سخت نقصان پہنچتا۔

ان مفید اور اہم مجموعہ ہائے فتاوی کی ترتیب و تدوین میں کم و بیش پونے پانچ برس کا عرصہ صرف ہوا اس تاخیر کی وجوہات میں مادی و مالی مشکلات و ناہمواریوں کو بڑا دخل ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ گشاں گشاں یہ سعادت فریضہ سرانجام پایا و الحمد للہ علیٰ ذالک۔

اُمید ہے قارئین کرام حضرت محدث روپڑی رحمہ اللہ اور مرتب پُرتقصیر کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

محمد صدیق بن عبد العزیز رحمہ اللہ